ادارہ تحقیقات اسلامی کی اسلامی معاشیات پر 'سلسلہ تراجم مصادرِ اسلامی' میں ترجمے کا معیار (تحلیلی و تنقیدی جائزہ)

Standard of Translation in Islamic Research Institute's project "Silsilah TarajamMasadar e Islami"on Islamic Economics: An Analytical and Critical Review

ڈاکٹر حافظ حبیب الرحمن[1]
ڈاکٹر محمد اصغر شہزاد[2]

Abstract:

In order to Islamize the laws in Pakistan in accordance with the injunctions of Islam as laid down in the Quran and Sunnah it is imperative that the policy maker must have access to the primary sources of Islamic law covering all schools of thoughts. However, the literature on Fiqh is generally in Arabic. To facilitate the policy makers and common readers, the Islamic Research Institute (IRI), International Islamic University, Islamabadhas translated the original work from Arabic in to Urdu language.The objective of this study is to evaluatetranslated work in the field of Islamic economics and to critically assess the level of translation. After a review of *"SilsilaTarajamMasadar e Islami"* related to Islamic economics the paper concludes that it was a very important and unique project of IRI which should continue by reprinting after review. However the paper highlighted some important issues in the translation.

Key Words: Islamic Economics,Sharīʻah,translation, SilsilaTarajamMasadar e Islami, IRI, Fiqh ul Mua'malāt.

1. چئیر مین شعبہ تربیت، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد habib-rehman@iiu.edu.pk,
2. لیکچرر شعبہ تربیت، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد asghar.shahzad@iiu.edu.pk,

1. تعارف:

اسلامی معاشرے کو درپیش تحدیات اور مشکل مسائل کا حل وہی اہل علم و نظر پیش کر سکتے ہیں جو قرآن وسنت پر گہری نظر رکھنے کے ساتھ مروجہ سماجی علوم سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ سماجی علوم معاشرے اوراس کے اداروں کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں، مسائل ومشکلات کے ادراک میں معاون ثابت ہوتے ہیں اور اس ادراک کے نتیجے میں قرآن و سنت کے نفاذ میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ کسی معاشرے کی علمی لگن اور پیش رفت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ معاشرے کی اپنی غالب زبان میں تصنیف وتالیف کے ساتھ دوسری زبانوں میں ہونے والی تحقیق کو کسی حد تک ترجمہ و تلخیص کی شکل میں اسکی زبان میں منتقل کیا جاتا ہے۔ ترجمہ نگاری کا عمل مختلف معاشروں کے درمیان تازہ ہوا کے جھونکوں کی مانند ہے اس کے ذریعے اہل علم ودانش انسانی مسائل کی تفہیم، تجزیہ اور تحلیل کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ عربی اور فارسی سے اپنی ہی ورثے کو اردو میں منتقل کرنا اہم روایت ہے۔

انسانی تاریخ کے ہر دور میں علمی سرمایہ کو ترجمے کے ذریعے سے اپنی اپنی زبانوں میں منتقل کر کے اس سے بیش بہا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ ترجمہ کاری کی اہمیت کا احساس بین الاقوامی طور پر بڑھ رہا ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ ترجمے کے فن کو پوری مہارت اور اس کی نزاکتوں کو سامنے رکھتے ہوئے استعمال کیا جائے۔ جہاں دیگر علوم میں ترجمہ ایک بنیادی اہمیت کا حامل ہے اسی طرح تکنیکی علوم جیسے کہ معاشیات، حساب نویسی، علومِ اسلامیہ وغیرہ میں ترجمہ کاری کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ ترجمہ کاری کے دوران سب سے اہم بات یہ ہے کہ مترجم بیک وقت دونوں زبانوں (جس زبان سے ترجمہ کیا جارہا ہے اور جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے) کی وسیع تفہیم رکھتا ہو، اپنی اور دوسری زبان کے علمی، ادبی اور تہذیبی پس منظر سے واقف ہو تاکہ دوران ترجمہ دونوں زبانوں کے پس منظر سے واقف رہ کر ترجمہ کاری کی نزاکتوں سے عہدہ برآء ہو سکے۔

ترجمہ کاری کا فن بڑی نزاکت، دقتِ نظر اور باریک بینی کا متقاضی ہے۔ ترجمہ کاری کے دوران مترجم کو دونوں زبانوں کی اصطلاحات (Terms) سے واسطہ پڑتا ہے۔ اصطلاحات کی وضاحت کے بغیر خاص سیاق وسباق کے حامل مواد کا ترجمہ گمراہ کن ثابت ہو سکتا ہے۔ ہر اصطلاح اپنا مخصوص پس منظر رکھتی ہے۔ سادہ ترجمہ کاری اس پس منظر کو منتقل نہیں کر سکتی لہٰذا اس طرح نامکمل اور غلط ترجمہ ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

ادارہ تحقیقات اسلامی نے مختلف موضوعات پر مصادر اسلامی کو اردو زبان میں ترجمہ کرنے کا اہتمام کیا ہے تاکہ اس کے ذریعے قانون کے پیشے سے وابستہ افراد، تاجر طبقہ، بنکار اور ماہرین معیشت کو اسلامی قوانین وضوابط سے متعلق فقہی مواد اردو زبان میں میسر ہو سکے۔

ادارے نے مصادر فقہ اسلامی کے عنوان سے جن مطبوعات کا سلسلہ شروع کیا ہے اس کا بنیادی مقصد ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

> ”فقہ کے وسیع ذخیرے سے موزوں ترین مواد کا انتخاب شائع کیا جائے۔ مواد کے انتخاب میں اس امر کو بطور خاص ملحوظ رکھا گیا کہ ہمارے ملک میں نفاذِ اسلام کے سلسلے میں جن احکام و قوانین کو اولیت دی جارہی ہے، ترجیحی بنیادوں پر اس مواد کو اردو ترجمے اور مناسب تشریحات کے ساتھ شائع کیا جائے۔ ان کتابوں کی ترتیب وتالیف میں بطور خاص دو باتوں کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اول یہ کہ فقہ کی صرف ان کتابوں سے مواد لیا جائے جو علماء اور فقہاء کے نزدیک معتمد و مستند ہیں۔ دوسرے یہ کہ متعلقہ مسائل کے بارے میں کسی ایک فقہی مسلک پر کتفاء کرنے کی بجائے چاروں مسلمہ فقہی مسالک کی آراء کے ساتھ ساتھ فقہ اہل تشیع کو بھی سامنے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔“[1]

زیر نظر مقالہ میں ادارہ تحقیقات اسلامی کی شائع کردہ سلسلہ تراجم مصادر اسلامی کی صرف ان کتب کو منتخب کیا گیا ہے جو اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ چونکہ اسلامی معاشیات کی اساس قرآن وسنت اور فقہ اسلامی ہے، تو اس کے لیے قرآن وسنت اور فقہی مصادر پر دسترس ہونا بہت ضروری ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد ادارہ تحقیقات اسلامی کی شائع کردہ سلسلہ تراجم مصادر اسلامی میں ترجمہ کے معیار کا جائزہ لینا اور ترجمہ میں تکنیکی اصطلاحات کی نشاندہی کر کے بہتری کے لیے سفارشات دینا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل کتب کا جائزہ لیا جائے گا۔

کتاب کا نام	مدون/مترجم	زبان	سن اشاعت
احکام شرکت	ڈاکٹر حافظ محمد یونس	اردو	۱۹۹۱ء
احکام رہن، کفالہ وحوالہ	غلام عبدالحق محمد	اردو	۱۹۹۱ء
ربٰو ومضاربت	ڈاکٹر نور محمد غفاری، ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، غلام مرتضیٰ آزاد، صدیق ارشد خلجی اور عبدالرحیم اشرف بلوچ	اردو	۱۹۹۶ء
احکام وقف	غلام عبدالحق محمد	اردو	۱۹۹۹ء
احکام بیع	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر منصوری	اردو	۲۰۰۵ء

2. ادارہ تحقیقات اسلامی کا تعارف اور خدمات:

ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کا ایک ذیلی ادارہ ہے جس کا قیام ۱۹۶۰ء میں کراچی میں ہوا۔اس ادارے کے قیام کی تجویز ۱۹۵۶ء کے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں دی گئی۔ یہ ادارہ ۱۹۸۰ء تک مختلف وفاقی وزارتوں ے ماتحت کام کرتا رہا بعد ازاں اسے ۱۹۸۰ء میں اسلامی یونیورسٹی کا ذیلی ادارہ بنا دیا گیا۔[2] جس کا مقصد مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا گیا[3]:

i. ''اسلام پر تحقیقات کو منظم شکل دینے، موجودہ دور میں اسلام کی عقلی اور سائنٹفک تعبیر کرنے اور تاریخ، فلسفہ، سائنس اور ثقافت کے میدانوں میں مسلمانوں کے کارناموں سے روشناس کرانے کے لیے صدر مملکت مرکزی ادارہ تحقیقات اسلامی کے قیام کا اعلان کرتے ہیں۔''[4]

ii. اسلامی تعلیمات کی وضاحت ایسے انداز میں کرنا کہ اس کے حرکی کردار کو جدید دنیا کے فکری اور سائنسی سفر کے سیاق میں سامنے لایا جائے۔

iii. فکر، سائنسی اور ثقافت کے میدانوں میں اسلام کے کردار پر تحقیق بجالانا جس کا مطمح نظر یہ ہو کہ مسلمان ان میدانوں میں دوبارہ ممتاز مقام پا سکیں۔

''افراد اور سماج کی ترقی کے لیے ہمہ گیر اور ہم آہنگ مواقع فراہم کرنا اور اسلامی اساسیات پر فکر انسانی کی تشکیل نو کرنا تاکہ مختلف شعبوں میں تعلیم و تحقیق کو پروان چڑھایا جائے جس کا مقصد یہ ہو کہ اسلام کے اصولوں اور اقدار کے مطابق امت مسلمہ کی ہمہ پہلو ترقی بروے کار لائے جا سکے۔''[5]

3. سلسلہ تراجم مصادر اسلامی، ضرورت واہمیت:

۱۹۸۰ء کی دہائی میں پاکستان میں قوانین کو اسلامیانے کا عمل تیزی سے جاری تھا اور نفاذ شریعت کے لیے کی جانے والی کوششوں میں بہت حد تک پیش رفت بھی ہوئی۔اس عمل کے دوران کافی دشواریاں بھی پیش آئیں، جن میں سے ایک اہم مشکل یہ تھی کہ چونکہ اسلامی قانون کے اصل مصادر عربی زبان میں تھے اور قانون دان، تاجر، بنکار اور ماہرین معیشت عربی زبان پر دسترس نہ ہونے کے سبب ان مصادر سے کماحقہ استفادہ نہیں کر سکتے تھے[76]۔ادارہ تحقیقاتِ اسلامی نے پاکستانی معاشرے کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لیے اپنی مساعی کو بروئے کار لاتے ہوئے اس خلاء کو شدت سے

محسوس کیا،ادارہ کے پاس جو محدود وسائل تھے انہیں جمع کرتے ہوئے اس بات کا فیصلہ کیا کہ فقہِ اسلامی کی بنیادی کتب کے ان ابواب کا فوری طور پر اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے جن سے متعلق اسلامی قوانین کا نفاذ ہو چکا ہے یا وہ قوانین زیر غور ہیں۔تاکہ عدلیہ، قانون سے پیشے سے وابستہ افراد اور ماہرین معاشیات کی علمی معاونت ہو سکے اور ان تک اسلامی قوانین کی اردو زبان میں رسائی ممکن ہو سکے۔[8]

ادارہ تحقیقات اسلامی میں اس حوالے سے بہت وقیع کام کیا جا چکا ہے،ادارہ نے نہ صرف حدود اور عائلی قوانین جیسے اہم موضوعات پر سلسلہ تراجم مصادرِ اسلامی شائع کیے بلکہ اسلامی معاشیات کے اہم موضوعات پر بنیادی مصادر سے مواد ترتیب دیا۔اس حوالے سے پانچ کتب احکام شرکت،احکام رہن کفالہ وحوالہ، ربٰو ومضاربت،احکام وقف اور احکام بیع شائع ہوئیں۔ان کتب میں چاروں فقہی مسالک کی بنیادی کتب سے متعلقہ موضوع پر ابواب کا ترجمہ کیا گیا ہے۔جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ان کی تفصیل مقالہ کے آخر میں ضمیمہ میں دی گئی ہے۔[9]

زیر نظر مقالہ کا بنیادی مقصد سلسلہ تراجم مصادرِ اسلامی میں اسلامی معاشیات کے موضوع پر لکھی گئی کتب کے ترجمہ کے معیار اور عام فہم ہونے کا ایک ناقدانہ جائزہ لینا ہے۔اس لیے آغاز میں معیاری ترجمہ کے بنیادی اصول ذکر کیے جاتے ہیں۔

4. معیاری ترجمے کے بنیادی اصول:

أ. اصل عبارت ہر وقت مترجم کے پیش نظر رہے اور وہ ہر صورت متن کا پابند رہے۔[10]
ب. مترجم کو اصل عبارت میں اپنی طرف سے حذف،اضافہ یا ترمیم کا کوئی حق حاصل نہیں۔[11]
ت. ترجمہ میں سہولت کے لیے متن کا آگے پیچھے کرنا مناسب نہیں۔[12]
ث. اصطلاحات کا ترجمہ جوں کا توں ممکن نہ ہو تو قریب ترین مفہوم میں کیا جاسکتا ہے۔[13]
ج. محاورات اور امثال کا ترجمہ دوسری زبان کے محاورات وامثال سے ہو جائے تو بہتر ہے،ورنہ انھیں سادہ الفاظ میں بیان کر دینا چاہیے۔[14]
ح. ترجمہ میں اصل کام خیالات کی صحیح ترسیل ہے،البتہ اسلوب رواں،شستہ اور جاذب ہونا چاہیے[15]

5. معیاری ترجمے کے لیے مترجم کی خصوصیات:

أ. مترجم جس متن کا ترجمہ کر رہا ہے،اس کے موضوع سے اچھی طرح واقف ہو۔
ب. اصل زبان پر اچھی قدرت ہو۔

ج. جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہو، اس سے گہری واقفیت ہو۔

د. افکار کو امانت داری کے ساتھ بغیر اختصار، حذف و اضافہ کے منتقل کرے۔

6. سلسلہ تراجم مصادر اسلامی کے ترجمہ کے معیار کا جائزہ:

ایک معیاری ترجمے کے لیے ضروری ہے کہ ترجمہ میں متن کے مفہوم کی پوری حفاظت کی گئی ہو، کیونکہ مترجم کا کام مصنف کے خیالات کو اپنی زبان کے اندر منتقل کرنا ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے معیاری ترجمے میں ترجمہ کی صحت سب سے زیادہ موضوع بحث بنتی ہے۔ مذکورہ تمام کتب کے آغاز میں موضوع سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث نقل کی گئی ہیں۔ قرآنی آیات اور احادیث کے ترجمہ میں کوئی یکسانیت معلوم نہیں ہوتی اور نہ ہی اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ قرآنی آیات کا ترجمہ کس مترجم کا لیا گیا ہے مثلاً احکام وقف میں ذکر کردہ آیات اور احادیث کا ترجمہ زیادہ پیچیدہ اور مشکل محسوس ہوتا ہے جبکہ احکام بیع اور احکامِ رہن، کفالہ و حوالہ میں ذکر کردہ آیات اور احادیث کا ترجمہ سلیس اور رواں ہے۔

احکام شرکت اور احکام وقف ان دونوں کے تراجم کے اندر پیچیدگی اور ابہام پایا جاتا ہے اور قاری کو صحیح مفہوم اور مسئلے کی صحیح صورت تک پہنچنے میں دقت محسوس ہوتی ہے۔ جبکہ احکام رہن، کفالہ و حوالہ، احکام بیع اور ربا و مضاربت میں قرآنی آیات اور احادیث کا ترجمہ نسبتاً معیاری، صحیح اور عام فہم ہے

6.1 ترجمے کا عام فہم اور سلیس ہونا:

ترجمہ کی افادیت کے لیے ناگزیر ہے کہ ترجمہ عام فہم، سلیس اور قاری کی ضروریات کو پورا کرتا ہو۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے پیش نظر بھی یہی بات تھی کہ جو حضرات عربی زبان سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے ان کی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے عام فہم اردو زبان میں مصادر فقہ اسلامی کا ترجمہ کیا جائے۔ جیسا کہ درج ذیل اقتباس سے واضح ہے:

> ''اسلامی قوانین کے بارے میں جو کام ہمارے پیش نظر رہا ہے اس سلسلے میں ایک دشواری یہ بھی سامنے آئی کہ اسلامی قوانین کا ذخیرہ اصلاً عربی زبان میں ہے اور ہمارے ملک کے قانون دان حضرات عربی زبان سے اس حد تک آشنا نہیں ہیں کہ براہ راست عربی مصادر سے استفادہ کر سکیں۔ اس دشواری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے کتابوں کی ترتیب وتالیف میں اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ منتخب مواد کی اصل عربی عبارتوں کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کا اردو ترجمہ بھی پیش کر دیا جائے تاکہ فقہ کے اس عظیم ورثہ تک اردو خواں حضرات کی کما حقہ رسائی ممکن ہو''[16]

6.2. نقد و تبصرہ:

ترجمہ مصادر اسلامی کی جن کتب کا مقالے کے لیے انتخاب کیا گیا ہے ان میں سے بعض تراجم تو اچھے، معیاری، عام فہم اور سلیس ہیں مثلاً "احکام بیع،" احکام رہن، کفالہ و حوالہ کا ترجمہ عام فہم ہونے کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ احکام بیع میں مشکل اصطلاحات کو بھی آسان زبان کے اندر پیش کیا گیا ہے مثلاً بیع العینہ کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

"اگر بائع نے کوئی چیز ادھار بیچی تو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اسے دوبارہ (اسی خریدار سے) قیمت فروخت سے کم قیمت پر خرید لے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی سامان ادھار پر بیچا، پھر اسے نقد قیمت پر اس سے کم قیمت پر خرید لیا تو اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائزہ نہیں"[17]

البتہ بیع العینہ کی جو تعریف احکام شرکت کی اصطلاحات کی وضاحت میں کی گئی ہے وہ نامکمل اور ادھوری ہے جس سے بیع العینہ کا مفہوم واضح نہیں ہوتا مثلاً

"کسی چیز کو اصل قیمت سے زیادہ ادھار بیچنا"[18]

یہ تعریف کسی صورت بیع العینہ کی حقیقت کو واضح نہیں کرتی، جبکہ احکام بیع کا اقتباس بیع العینہ کی تعریف میں بالکل واضح اور عام فہم ہے۔ ترجمہ مصادر فقہ اسلامی کی کتب میں سے بعض کتب کا ترجمہ کسی ایک مترجم نے نہیں کیا بلکہ وہ متعدد مترجمین کی کاوش ہے مثلاً ربوٰا اور مضاربت کا ترجمہ ڈاکٹر نور محمد غفاری، ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، غلام مرتضیٰ آزاد، صدیق ارشد خلجی اور عبدالرحیم اشرف بلوچ نے مل کر کیا ہے۔ اس لیے اس ترجمے میں یکسانیت نہیں ہے۔ ایک ہی کتاب میں بعض جگہ ترجمہ پیچیدہ، قدیم اور مبہم معلوم ہوتا ہے اور بعض جگہ سلیس اور عام فہم۔ قرآنی آیات کا ترجمہ بہت قدیم ہے جس کا اندازہ مندرجہ ذیل آیات کریمہ سے لگایا جا سکتا ہے:

لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً[19] (مت کھاو سود، دونے پر دونا)[20]

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبًا لِّيَرْبُوَ فِي أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُو عِندَ اللَّهِ[21] (اور جو دیتے ہو بیاج پر، کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں وہ نہیں بڑھتا اللہ کے ہاں)[22]

اسی طرح بعض فقہی عبارات بھی پیچیدہ، مبہم اور مغلق ہیں، مثلاً

"بقول احناف، ناپ تول کی ایک ہی جنس میں تفاضل۔ امام مالک ایک ہی جنس کے ساتھ مقتات و مدخر ہونے کا اعتبار کرتے ہیں اور امام شافعیؒ صرف قوت (خوراک) ہونے کا۔ بہر

کیف ایک ہی جنس میں بعض اعتبارات (شرائط) کے اضافہ کے ساتھ تفاضل (زیادتی سب کے نزدیک حرام ہے جیسا کہ اس سے پہلے ہم کہ چکے ہیں''[23]

اگرچہ اس عبارت میں مذکودہ الفاظ 'مقتات' اور 'مدخر' کی کچھ وضاحت حاشیہ میں کی گئی ہے لیکن ترجمہ ناقابل فہم ہے۔ جبکہ بعض جگہوں میں حاشیہ میں کوئی وضاحت بھی نہیں کی گئی۔ مثلاً یہ عبارت:

''اگر یہ کہا جائے کہ غیر مفرط یا مفرط تائب اور مفرط غیر تائب کے درمیان، دنیاوی احکام میں تفریق ہونی چاہیے یعنی مفرط غیر تائب کا پیچھا کرنا لازمی قرار دیا جائے اور غیر مفرط کا مفرط یا مفرط تائب کو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا جائے''[24]

مذکورہ کتاب، ربٰوا اور مضاربت، میں ترجمہ کا معیار یکساں نہیں ہے، بعض مترجمین نے آسان فہم اسلوب اختیار کیا ہے اور بعض نے نسبتاً مشکل ترجمہ کیا ہے جس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ زیر نظر کتب میں سے جن کا کسی ایک مترجم نے ترجمہ کیا ہے اور عام فہم بھی ہے ان میں، احکام رہن، کفالہ وحوالہ، احکام وقف، اور احکام بیع شامل ہیں۔

6.3. ترجمے کی صحت کا التزام

بعض مترجمین نے ترجمے کی صحت کا اہتمام کیا ہے جبکہ بعض تراجم نامکمل، ناقص اور مبہم بھی ہیں مثلاً احکام شرکت میں 'شرکت' کی تعریف کچھ یوں کرتے ہیں:

وشرعا ثبوت الحق شائعافي شی واحد او عقد يقتضى ذالک[25] شرعی لحاظ سے شرکت اس حق کا ثبوت ہے جو کہ کسی ایک چیز میں عام مشہور ہو یا اس معاہدے کا نام ہے اس کا تقاضا کرتا ہو''

مذکورہ عبارت میں شائعاً کا ترجمہ ''عام مشہور'' کرنا درست نہیں ہے، جس سے تعریف کا مفہوم ہی غلط ہو گیا۔ حالانکہ اس کتاب میں یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ:

''میں نے پوری کوشش کی ہے کہ ترجمہ آسان، عام فہم اور سلیس ہو تاکہ قارئین کرام اسے باآسانی سمجھ سکیں''[26]

اسی طرح دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

''اگر سرمائے میں شرکت ہو اور منافع میں شرکت نہ ہو تو اسے بضاعت کہتے ہیں''[27]

یہ تعریف انتہائی مبہم اور پیچیدہ ہے، کسی بھی اردودان قاری کو اس سے مقصد تک رسائی حاصل نہیں ہوتی ہے۔ احکام شرکت میں جن اصطلاحات کا استعمال کیا گیا ہے ان کی وضاحت آغاز میں کر دی گئی ہے لیکن اصطلاحات کا کہیں تو لغوی

ترجمہ کیا گیا ہے اور کہیں نامکمل اور غیر واضح مثلاً 'باطل' کا لغوی معنی 'ناحق' کیا گیا ہے[28] جبکہ احکام شرکت میں لفظ باطل اس مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا بلکہ شرکت کا کوئی معاہدہ کسی وجہ سے کالعدم (Void) قرار پائے تو اسے باطل کہتے ہیں۔ اسی طرح تصرف کا معنٰی 'کسی کام میں دخل دینا کیا گیا ہے' جو کہ درست نہیں ہے حالانکہ حق تصرف ایک وسیع اصطلاح ہے۔

6.4. پیشہ ورانہ دیانتداری

معیاری ترجمے کے لیے ناگزیر ہے کہ پیشہ وارانہ خصوصیات کا حامل ہو اور پوری دیانت داری کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہو۔ عام طور پر مترجمین نے قرآنی آیات اور احادیث کا لفظی ترجمہ کیا ہے لیکن بعض جگہوں میں ترجمہ نامکمل محسوس ہوتا ہے جبکہ بعض مقامات پر بالکل ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔ مثلاً 'احکام وقف' میں وقف کے ارکان کے عنوان کے تحت درج ذیل حدیث نقل کی گئی ہے:

"ان شئت حبست اصلہاوسبلت ثمرھا"[29]

مذکورہ بالہ حدیث کا ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔

مترجم نے بعض مقامات پر حدیث کا نامکمل ترجمہ کیا ہے مثلاً 'ربٰوا اور مضاربت' میں السنۃ کے عنوان کے تحت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مندرجہ ذیل حدیث نقل کی ہے:

"لَعَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا، وَمُؤْكِلَهُ، وَشَاهِدَيْهِ، وَكَاتِبَهُ"
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے، سود کی گواہی دینے والے اور سود کی دستاویز لکھنے والے پر لعنت کی ہے"

اس حدیث مبارکہ میں وَمُؤْكِلَهُ (جس کا مطلب ہے سود کھلانے والا) کا ترجمہ نہیں کیا گیا۔

6.5. ترجمہ، ترجمانی/ تلخیص (مفہوم کی ادائیگی):

احکام شرکت میں قرآنی آیات اور احادیث کا ترجمہ زیادہ تر لفظی ہے جبکہ منتخب فقہی مصادر کا عام طور پر احکام کی شکل میں خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عقود شرکت کی اقسام بیان کرتے ہوئے فاضل مصنف نے حنفیہ کے نزدیک شرکت عقود کی چار قسمیں بیان کی ہیں جن میں، شرکت مفاوضہ، عنان، صنائع اور وجوہ کو ذکر کیا ہے اور اس کے ساتھ رقمطراز ہیں:

"شرکت مفاوضہ کی صورت یہ ہے کہ دو مرد باہم شرکت کریں، اور وہ دونوں مال، تصرف، دین میں برابر ہوں۔ کیونکہ مفاوضہ بمعنی مساوات ہے اور اس میں ہر ایک شریک اپنے ساتھی کی جانب شرکت کے معاملات کو علی الاطلاق تفیض کر دیتا ہے، اس میں وکالت اور کفالت دونوں ہوتی ہیں۔"[30]

مذکورہ بالہ عبارت فقہ کی معروف کتاب 'ہدایہ' سے احکام شرکت میں سے دو صفحات کی تلخیص ہے۔ اسی طرح احکام بیع میں بھی یہی اسلوب اختیار کیا گیا ہے البتہ اس میں کسی جگہ بحذف واختصار لکھ دیا گیا ہے اور کسی جگہ ملخصاً سے تلخیص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثلاً مبیع کی شرائط کے تحت پانچویں شرط قابل سپردگی ہونا کے عنوان سے تحریر کی گئی ہے اور آخر میں بدائع الصنائع کے ساتھ بحذف واختصار نقل کیا گیا ہے۔[31] مثلاً 'احکام بیع' میں صحت بیع کی شرائط کے تحت لکھتے ہیں:

"بیع اور قیمت کا دونوں فریقوں کو علم ہوتا کہ لاعلمی کی بناپر دونوں میں کسی جھگڑے کا احتمال نہ رہے۔ اگر بائع نے کہا: میں نے ریوڑ میں سے ایک بکری یا اس ڈھیر میں سے ایک کپڑا فروخت کیا تو بیع (چیز کے عدم تعین کی بناپر) فاسد ہو گی۔۔۔ ربوی اموال (وہ اموال جن میں ربا واقع ہوتا ہے) کی صورت میں دونوں طرف کے معاوضوں کا مقدار میں برابر ہوتا ہے۔"[32]

اس اقتباس میں مترجم نے بدائع الصنائع کے ۲۴ صفحات کی تلخیص کی ہے اور حوالہ کا اسلوب یہ اختیار کیا (بدائع الصنائع، ملخصاً ۵:۱۵۶۔۱۸۰)۔

6.6 معاشی اصطلاحات کا ترجمہ اور وضاحت

زیر نظر کتب میں سے بعض میں معاشی اصطلاحات کی فہرست دی گئی ہے اور بعض میں نہیں دی گئی۔ مثلاً احکام وقف اور ربٰو اور مضاربت میں اصطلاحات کی فہرست موجود نہیں ہے جبکہ یہ فہرست 'احکام شرکت' کے شروع میں اور احکام رہن، کفالہ و حوالہ اور 'احکام بیع' کے آخر میں دی گئی ہے۔ اس فہرست کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے معاشی اصطلاحات کا مفہوم سمجھنے میں مدد مل جاتی ہے۔ تاہم بعض مترجمین نے اصطلاحات کا بھی لغوی ترجمہ کیا ہے حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اصطلاحات کا وہ مفہوم ذکر کیا جائے جو کہ اسلامی معاشیات کے ماہرین کے ہاں مستعمل ہے۔

6.7 تشریحی حواشی

ترجمہ مصادر فقہ اسلامی کی وہ کتب جو معاشی موضوعات پر لکھی گئی ہیں، ان کا اسلام کے معاشی نظام کے اندر بڑا مقام ہے اور اسلام کے معاشی نظام کے خدوخال کو سمجھنے کے لیے فقہ کے اس قدیم لٹریچر سے استفادہ ناگزیر ہے، تاہم اس

موضوع میں جو عربی الفاظ اور معاشی اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں ان کا ایک مخصوص سیاق و سباق، پس منظر اور اصطلاحی مفہوم ہے۔ جب تک وہ اصطلاحی مفہوم اردو دان قاری کے سامنے واضح نہ کیا جائے اس وقت تک ان کتب سے کماحقہ استفادہ دشوار ہے جیسا کہ احکام شرکت میں مترجم معاشی اصطلاحات کی پیچیدگیوں کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''عربی اصطلاحات اور مشکل الفاظ ڈکشنری کی مدد کے بغیر آسانی سے سمجھ میں نہیں آتے اس لئے میں نے ان کو مع ترجمہ اور مختصر ضروری وضاحت کے شروع میں درج کر دیا ہے تاکہ ان کے سمجھنے میں مدد لی جاسکے''[33]

تشریحی حواشی کے اس احساس کے باوجود ترجمہ مصادر فقہ اسلامی کی زیر نظر کتب میں تشریحی حواشی کا فقدان ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کتب کو نئے سرے سے طبع کرتے وقت اس امر کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔ تاکہ عربی مصادر سے آگاہی نہ رکھنے والے ماہرین معاشیات، قانون دان، بنکار اور تاجر طبقہ اس سے استفادہ کر سکیں۔

7. تراجم مصادر فقہ اسلامی کا تجزیہ ایک نظر میں:

کتاب کا نام	مدون/مترجم	سلیس ترجمہ	ترجمے کی صحت کا التزام	پیشہ ورانہ دیانتداری	تلخیص	معاشی اصطلاحات کا ترجمہ اور وضاحت	تشریحی حواشی
احکام شرکت	ڈاکٹر حافظ محمد یونس	✗	✗	✓	✓	✓	✗
احکام رہن، کفالہ و حوالہ	غلام عبدالحق محمد	✓	✓	✓	✓	✓	✗
ربٰو و مضاربت	ڈاکٹر نور محمد غفاری، ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، غلام مرتضیٰ آزاد، صدیق ارشد خلجی اور عبدالرحیم اشرف بلوچ	34*	*35	✓	✓	✗	✗
احکام وقف	غلام عبدالحق محمد	✓	✓	✓	✓	✗	✗
احکام بیع	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر منصوری	✓	✓	✓	✓	✓	✗

8. حاصل کلام

سود کے استحصالی نظام سے کس طرح نجات حاصل کی جائے اور اس کا متبادل نظام کیا ہے؟ بیسویں صدی کے صف اول کے مسلمان علماء نے نہ صرف اس سوال پر غور کیا بلکہ اسلامی نظام معیشت کے خدوخال واضح کرتے ہوئے، معیشت، تجارت، بنکاری، اور تکافل پر اسلامی نقطہ نظر سے گراں قدر علمی سرمایہ کا اضافہ بھی کیا۔ ہمارے ملک میں اہل علم و دانش موجود ہیں جو مروجہ بنکاری پر ماہرانہ اور ناقدانہ نظر رکھتے ہیں لیکن ان میں ایسے اصحاب خال خال ہی ہیں جو اسلامی شریعت کے اصل مآخذ تک براہ راست رسائی رکھتے ہوں اور بد قسمتی سے اردو یا انگریزی میں ایسی معیاری کتابیں مناسب تعداد میں موجود نہیں ہیں جن سے ہمارے ماہرین معاشیات استفادہ کر کے اسلامی کے معاشی نظام سے کماحقہ ماہرانہ واقفیت حاصل کر سکیں۔

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی نے اس خلاء کو شدت سے محسوس کیا کہ فقہِ اسلامی کی بنیادی کتب کے ان ابواب کا فوری طور پر اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے جن سے متعلق اسلامی قوانین کا نفاذ ہو چکا ہے۔ یا وہ قوانین زیر غور ہیں۔ تاکہ عدلیہ، قانون سے پیشے سے وابستہ افراد اور ماہرین معاشیات کی علمی معاونت ہو سکے اور ان تک اسلامی قوانین کی اردو زبان میں رسائی ممکن ہو سکے۔ اس سلسلے میں ادارہ نے اسلامی اسلامی معیشت کی بنیادی مباحث مثلاً وقف، شراکت، مضاربت، سود، رہن، کفالہ، حوالہ، بیع جیسے اہم موضوعات، فقہ اسلامی کی مقتدر کتب سے ترجمہ کر کے پیش کیے ہیں جو کہ اسلامی معاشیات میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔[36]

اس مقالہ میں اسلامی معاشیات سے متعلق سلسلہ تراجم مصادر اسلامی میں ترجمہ کے معیار کا جائزہ لیا گیا، اور اس نتیجے پر پہنچے کہ بعض کتب میں ترجمہ ایک سے زائد افراد نے کیا ہے اور ترجمہ میں تسلسل کا شدید فقدان ہے، بہت سی جگہوں پر تراجم غلط ہیں اور بعض مقامات پر تو عربی عبارت نقل کرنے کے بعد اردو ترجمہ ہی نہیں کیا گیا۔ بعض مقامات پر یہ محسوس کیا گیا ہے کہ ترجمہ نہایت قدیم اور مشکل الفاظ میں کیا گیا ہے کہ جو الفاظ موجودہ دور میں رائج ہی نہیں ہیں جس سے ان تراجم کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔

9. سفارشات:

سلسلہ تراجم مصادر اسلامی کی موجودہ دور میں بہت اہمیت اور ضرورت ہے خاص کر ایسے افراد کے لیے کہ جو موجودہ دور میں اسلامی معاشیات کے حوالے سے کام کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالہ بحث کے بعد سلسلہ تراجم مصادر اسلامی کے حوالے سے مندرجہ ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

أ. ان تمام کتب کے تراجم پر نظر ثانی کی جائے۔
ب. ترجمہ سلیس اور موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ہو
ج. ترجمہ اغلاط سے پاک ہو
د. ان کتب کی اہمیت کے پیش نظر نظر ثانی کے بعد ان کی دوبارہ اشاعت کی جائے۔ ان میں سے بعض کتب کی کافی عرصہ سے طباعت نہیں ہوئی جو کہ عمل میں لائی جانی چاہیے۔
ہ. معاشی اصطلاحات کی فہرست کو اس طرح نئے انداز سے مرتب کیا جائے کہ ان کے متبادل جدید معاشی مروجہ اصطلاحات بھی دے دی جائیں تاکہ معاشیات کے طلباء اور ماہرین یکساں استفادہ کر سکیں۔

.10 ضمیمہ ا۔'احکام شرکت' کے مصادر

مصادر	مولف
كتاب المبسوط	امام ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الدین السرخسیؒ
الشرح الصغير	ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد (الدردیر)ؒ ،م ۱۲۰۱ھ
كتاب الام	امام عبداللہ محمد بن ادریس الشافعیؒ
الاقتناع فی حل الفاظ ابی شجاع	محمد بن احمد الخطیب الشربینیؒ
المغنی	ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسیؒ
كتاب الفقه على المذاهب الاربعه	عبدالرحمٰن الجزیریؒ
فتح القدير (شرح هداية)	محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید ابن الہمامؒ
شرح المجله	محمد خالد الاتاشیؒ
الشرح وقاية مع حاشية عمدة الرعاية	عبیداللہ بن مسعودؒ
البناية فی شرح الهداية	ابو محمد محمود بن احمد بدر الدین العینیؒ
مختصر القدوری	احمد بن محمد قدوریؒ
بداية المجتهد و نهاية المقتصد	محمد بن احمد الانصاری قرطبیؒ
المدونه الكبرىٰ	امام ابوعبداللہ الاصبحی مالک بن انس
الهداية	ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانیؒ، ۵۹۳ھ

.11 ضمیمہ ۳۔'ربٰوا و مضاربت' کے مصادر

مصادر	مولف
أحكام القرآن	ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاصؒ، م ۳۷۰ھ
المهذب	ابواسحاق ابراہیم ابن علی الشیرازیؒ، م ۴۷۶ھ
المغني	عبداللہ بن احمد المقدسی(ابن قدامہ)ؒ ،م ۶۲۰ھ
الهداية	ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانیؒ، ۵۹۳ھ
إعلام الموقعين	محمد بن ابی بکر الزرعی الشہیر بابن قیم (الجدزیہ مؒ) ،م ۷۵۱ھ
الشرح الصغير	ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد (الدردیر)ؒ ،م ۱۲۰۱ھ

12. ضمیمہ ۲۔'احکام رہن، کفالہ اور حوالہ' کے مصادر

مصادر	مولف
الهداية	ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانیؒ، ۵۹۳ھ
بدائع الصنائع	امام علاءالدین بی بکر بن مسعود الکاسانیؒ
المبسوط	امام علاوالدین بن ابی بکر بن مسعود الکاسانیؒ
المدونة الكبرىٰ	امام مالک بن انس الا صبحیؒ
الشرح الصغير	ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد (الدردیر)ؒ، م ۱۲۰۱ھ
هداية المجتهد	الشیخ احمد بن احمد بن رشد القرطبیؒ
كتاب الام	امام عبداللہ محمد بن ادریس الشافعیؒ
الاقتناع فی حل الفاظ ابی شجاع	الشیخ محمد الشربینی الخطیبؒ
المغنى	ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسیؒ
الفقه الاسلامى وادلته	دکتور وھبہ الزحیلیؒ
الفقه الاسلامى فى توبه الجديد	مصطفیٰ احمد الزرقاؒ
كتاب الفقه على المذاهب الاربعه	عبدالرحمٰن الجزیریؒ
المحلى	ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزمؒ
ضؤ النهار	الحسن بن احمد الجلالؒ
المجموع	امام محی الدین بن شرف النوویؒ
المعيار المعرب	احمد بن یحیٰی الونشویسیؒ
الانصاف	علی بن سلیمان المرداویؒ

13. ضمیمہ ۳۔'ربٰوا و مضاربت' کے مصادر

مصادر	مولف
أحكام القرآن	ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاصؒ، م ۳۷۰ھ
المهذب	ابواسحاق ابراہیم ابن علی الشیرازیؒ، م ۴۷۶ھ
المغني	عبداللہ بن احمد المقدسی (ابن قدامہ)ؒ، م ۶۲۰ھ
الهداية	ابوالحسن علی بن ابی بکر مرغینانیؒ، ۵۹۳ھ
إعلام الموقعين	محمد بن ابی بکر الزرعی الشہیر بابن قیم (الجوزیہ م)ؒ، م ۷۵۱ھ
الشرح الصغير	ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد (الدردیر)ؒ، م ۱۲۰۱ھ

14. ضمیمہ ۴۔ ’احکام وقف‘ کے مصادر

مصادر	مولف
محاضرات فی الوقف	ابوزہرہؒ
احکام الوقف	ڈاکٹر محمد عبید الکبیسیؒ
احکام الوقف	مصطفی الزرقاءؒ
کتاب الاسعاف فی احکام الاوقاف	برھان الدین بن ابی بکر الحنفیؒ
احکام الاوقاف	ابو بکر الخصافؒ
احکام الاوقاف	الاستاذ حسن رضاؒ
کتاب المبسوط	امام ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الدین السرخسیؒ
مغنی المحتاج	الشیخ محمد الشربینی الخطیبؒ
المغنی	ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسیؒ
الشرح الصغیر	ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد (الدردیر)ؒ ، م ۱۲۰۱ھ
شرح فتح القدیر	کمال الدین محمد ابن ہمامؒ

15. ضمیمہ ۵۔ ’احکام بیع‘

مصادر	مولف
کشاف القناع عن متن الاقناع	منصور بن یونس بن ادریس البھوتیؒ
القواعد النورانية الفقهية	احمد بن عبدالحلیم عبدالسلام بن تیمیہؒ
قوانين الاحكام اشرعية و مسائل الفروع الفقهية	محمد بن احمد بن جزی الغرناطی ابن جزیؒ
مغنی المحتاجالی معرفة معانی الفاظ المنهاج	علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد بن احمد الدردیرؒ
بدایةالمجتهد و نهایةالمقتصد	اباالولید محمد بن احمد ابن رشد القرطبیؒ
العزيز شرح الوجيز	ابوالقاسم عبدالکریم بن محمد بن عبدالکریم الرافعیؒ
نهاية المحتاج الی شرح المنهاج	شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزہؒ
كتاب المبسوط	امام ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل شمس الدین السرخسیؒ
بدائع الصنائع	امام علاءالدین ابی بکر بن مسعود الکاسانیؒ
المغنی	ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسیؒ
إعلام الموقعين	محمد بن ابی بکر الزرعی الشہیر بابن قیم (الجزیہ م)، م ۷۵۱ھ
تکملةرد المختار المسماة قرة عيون الاخيار	علامہ محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدینؒ

16. مصادر و حوالہ جات

1۔ ڈاکٹر حافظ محمد یونس، **احکام شرکت**، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

2- ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، **ادارہ تحقیقات اسلامی: تاریخ، اہداف اور خدمات**، فکر و نظر، اسلام آباد، جلد ۵۵، (جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۷ء) شمارہ ۱۔۲، ص ۹

3۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کا قیام، ۱۰ مارچ ۱۹۶۰ء میں وزارت تعلیم حکومت پاکستان کے حکم نامہ کے ذریعے عمل میں آیا۔

4 Notification No F-15-1059-E IV, Dated 10-03-1960

5- International Islamic University Ordinance No. XXX of 1985

6

7۔ عافیہ بانو و محمد سجاد، **اسلامی معاشی نظام کے فروغ میں ادارہ تحقیقات اسلامی کی خدمات**، فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، جلد ۵۵، (جولائی۔ دسمبر ۲۰۱۷ء) شمارہ ۱۔۲، ص ۳۹۴

8۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری (وغیرہ)، **ربٰو و مضاربت**، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

9۔ ڈاکٹر حبیب الرحمٰن و محمد اصغر شہزاد، **ادارہ تحقیقات اسلامی کی اسلامی معاشیات پر مطبوعات: تبصرہ و تجزیہ**، فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد، جلد ۵۵، شمارہ ۱۔۲،

10۔ تفصیلات کے لیے دیکھیں: ڈاکٹر خالد اقبال، **فنِ ترجمہ، اصول و مبادیات**، www.drkhalidiqbal.wordpress.com، تاریخ ۱۳ اگست، ۲۰۱۸، بوقت ۱۲:۵۷

11۔ مرجع سابق

12۔ مرجع سابق

13۔ مرجع سابق

14۔ مرجع سابق

15۔ مرجع سابق

16۔ غلام عبد الحق، **احکام رہن، کفالہ و حوالہ**، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء

17۔ ڈاکٹر محمد طاہر منصوری، **احکام بیع**، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۵ء، ص ۹۶

18۔ ڈاکٹر حافظ محمد یونس، **احکام شرکت**، ص ۲۵

19۔ آل عمران: ۱۳۰

20۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری (وغیرہ)، **ربٰو و مضاربت**، ص ۳۵

21۔ الروم، ۳۹

22۔ ڈاکٹر نور محمد غفاری (وغیرہ)، **ربٰو و مضاربت**، ص ۳۵

23۔ نفس مصدر، ص ۳۶

24۔ نفس مصدر، ص ۶۴

25۔ ڈاکٹر حافظ محمد یونس، **احکام شرکت**، ص ۳۵

26۔ نفس مصدر، ص ۲۳

27۔ نفس مصدر، ص ۳۴

28۔ نفس مصدر، ص ۲۵

29۔ غلام عبد الحق محمد، **احکام وقف**، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد ۱۹۹۹ء، ص ۵۱

30۔ ڈاکٹر حافظ محمد یونس، **احکام شرکت**، ص ۱۳۱

31۔ ڈاکٹر محمد طاہر منصوری، **احکام بیع**، ص ۵۹

32۔ نفس مصدر، ص ۴۶

33۔ ڈاکٹر حافظ محمد یونس، **احکام شرکت**، ص ۲۴

34۔ مذکورہ کتاب کا پانچ مختلف سکالرز نے ترجمہ کیا ہے، اس لیے ترجمے میں یکسانیت نہیں ہے۔ اس لیے بعض تراجم مبہم اور پیچیدہ محسوس ہوتے ہیں جبکہ بعض عام فہم اور سلیس ہیں۔

35۔ بعض مترجمین نے ترجمے کی صحت کا التزام نہیں کیا جس کی نشاندہی زیر نظر مقالہ میں کی جاچکی ہے۔

36۔ ڈاکٹر حبیب الرحمٰن، محمد اصغر شہزاد، **ادارہ تحقیقات اسلامی کی اسلامی معاشیات پر مطبوعات: تبصرہ و تجزیہ**،

غذا میں حلت و حرمت کے معیارات اور قواعدِ فقہیہ

(حلال سرٹیفکیشن کے تناظر میں تحقیقی مطالعہ)

Legal Maxims and Standards of Lawful (*Halāl*) and Unlawful (*Harām*) Food: An Analytical Review in the Perspective of *Halāl* Certification

ڈاکٹر محمد کاشف شیخ[1]

ڈاکٹر سمیع اللہ زبیری [2]

Abstract

Indeed! Islam introduces clear injunctions about the concept of lawful and unlawful for human life, which applies to all human needs and food products. Food industry has discovered new food products with great interest to introduce delicious recipes and food tastes. Therefore, many aspects of human health and ethics are being neglected for getting a high number of customers in the food industry. Despite all these non-professional acts, there is a great concern of Muslims to analyze the Islamic concept of lawful and unlawful in global context. The issues relating to lawful and unlawful are considered sensitive and critical within the Islamic philosophy, which necessitates careful observance of Islamic guidelines while processing *Halāl*

[1]۔ (اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علومِ اسلامیہ، فیکلٹی آف سوشل سائنسز، رفاہ انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد):

[2]۔ (اسسٹنٹ پروفیسر، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد)

certification. The present paper discusses standards and legal maxims of Islamic Sharia relating to lawful and unlawful food and their examples for social welfare of humanity. In addition, an overview of the initial steps taken in Pakistan for *Halāl* certification and some applicable recommendations are elaborated.

Keywords: standards, legal maxims, lawful, unlawful, food products, *Halāl*certification

تعارف:

اسلام میں انسانی زندگی میں استعمال کی جانے والی جملہ اشیاء کے بارے میں حلال و حرام کا واضح تصور پیش کیا گیا ہے اور اس کا اطلاق غذا اور خوراک، ادویات اور انسانی تزئین و زیبائش جیسے تمام شعبوں پر ہوتا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غذا و خوراک میں انسانی ضرورت کے دیگر شعبوں کے مقابلے میں زیادہ وسعت اور کشش پائی جاتی ہے۔ انسان نے ان شعبوں میں ہر گزرتے دن کے ساتھ نئی جہتیں تلاش کی ہیں، انہیں بڑی عرق ریزی اور دلچسپی کے ساتھ پروان چڑھایا ہے۔ عصرِ حاضر میں ہر بدلتے دن کے ساتھ Food science اور Food Product کے میدان میں کئی نئے رجحانات متعارف کرائے جا رہے ہیں۔ اشیاء کی حلت و حرمت سے بالاتر ہو کر انسانی صحت اور اخلاق کے معیارات بھی بری طرح پامال کیے جا رہے ہیں۔ ان حالات کے پیش نظر اس ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حلال و حرام کے جنتصورات کو شریعت اسلامیہ نے بیان کیا ہے ان کو حلت و حرمت کا تعین کرتے وقت لازمی طور پر پیش نظر رکھا جائے۔ مزید برآں یہ کہ فقہائے اسلام نے نہایت عرق ریزی سے قرآن و سنت کے دلائل کو مد نظر رکھ کر عام افراد کی سہولت کی خاطر نصوص کو سامنے رکھ کر مختلف قواعد فقہیہ بھی بیان کر دیے ہیں۔ اس مقالے میں ان قواعد فقہیہ کو زیر بحث لایا گیا ہے جن کا براہ راست یا بالواسطہ طور پر غذاؤں میں حلت و حرمت کے حوالے سے تذکرہ کیا جاتا ہے۔ ان میں بطور خاص ''الاصل فی الاشیاء الاباحة ''.[1] (اشیاء میں اصل اباحت ہے)''الیقین لایزول بالشک. ''[2] (یقین شک سے زائل نہیں ہوتا)''الضرر یزال. ''[3] (نقصان دور کیا جائے گا) قابل ذکر ہیں نیز ان قواعد کے چند ضمنی قواعد اور ان سے متعلق عملی مثالیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں حلال سرٹیفکیشن کے سلسلے میں پاکستان میں اٹھائے گئے ابتدائی اقدامات کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں قواعد فقہیہ اور حلال سرٹیفکیشن کے اقدامات کی روشنی میں یہ تجویز کیا گیا ہے کہ غذاؤں میں حلت و حرمت

اور حلال سر ٹیفکیشن انتہائی حساس نوعیت کے معاملات ہیں ان میں شریعت کے اصولوں کو مد نظر رکھنا اور اس سلسلے میں فیصلہ سازی میں احتیاط کرنا بہت ضروری ہے، زیر نظر مقالے میں اس حوالے سے ضروری سفارشات بھی پیش کی گئی ہیں۔

غذا میں حلت و حرمت کا تصور:

اسلام نے زندگی میں اشیائے ضرورت کی حلت اور حرمت کے واضح تصورات پیش کئے ہیں۔ جس کا اطلاق زندگی کے تمام شعبوں پر ہوتا ہے۔ غذا میں حلت و حرمت کا تصور بھی دیگر شعبہ ہائے حیات کی طرح واضح طور پر بیان کیا گیا ہے تاہم دیگر انسانی ضرورتوں کی طرح کھانے پینے کی چیزوں میں انسان نے ہر گزرتے دن کے ساتھ نت نئی جہتیں تلاش کی ہیں ۔ نیز کئی اشیاء بطور دوا و علاج بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ غذائی مصنوعات میں بنیادی طور پر نباتات، جمادات اور حیوانات میں سے مختلف اشیاء خالص حیثیت میں استعمال کے لئے دستیاب ہوتی ہیں یا انہیں دیگر چیزوں سے ترکیب دے کر اور کبھی ان کی ماہیت اور کیفیت بدل کر استعمال کیا جاتا ہے۔

قواعد فقہیہ کا پس منظر:

شریعت اسلامیہ کی توضیح و تشریح اور علوم اسلامیہ کی تدوین کے دوران بالخصوص جب ائمہ مجتہدین کی کاوشوں کے نتیجے میں فقہ اور اس کے اصول کا علم مدون کیا جا رہا تھا، اسی دوران ایک اہم شعبے قانون کی تعبیر کے اصول بھی ترتیب دئے جا رہے تھے۔ قواعد فقہیہ کی ترتیب اور تدوین بتدریج ہوئی ہے۔ فقہائے کرام کے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے احکام پر غور کرنے کے نتیجے میں جب ان احکامات کی علتیں، حکمتیں اور مکمل فلسفہ ان کی نگاہوں میں نکھر کر سامنے آیا تو فقہاء نے انہیں مناسب اسلوب میں مرتب کیا اور بعد کے دور میں جہاں ان قواعد میں اضافہ ہوتا گیا وہیں سابقہ دور کے بیان کردہ قواعد کی زبان و بیان کو مزید نکھارنے کا سلسلہ جاری رہا[4]۔ ان قواعد فقہیہ کو اختصار کے ساتھ سمجھنے کے لیے ذیل کی تعریف اہم ہے:

> اصول فقهية كلية فى نصوص موجزةدستوريةتتضمن احكام تشريعية عامةفى الحوادث التى تدخل تحت موضوعها."[5] وہ عام فقہی اصول و ضوابط جنہیں اختصار کے ساتھ قانون کے اسلوب بیان میں ترتیب دیا گیا ہو جس میں اس ضمن میں پیش آنے والے معاملات سے متعلق عام قانون اور فقہ دونوں کو سمو دیا گیا ہو۔ ان فقہی قواعد کی ہمہ گیریت علوم اسلامیہ بالخصوص فقہ اسلامی کی طرح زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے۔

قواعد فقہیہ اور غذا میں حلت و حرمت:

غذا میں حلت و حرمت کے حوالے سے قدیم دور سے فقہاء و مجتہدین جہاں براہ راست قرآن حکیم اور سنت رسول اکرم ﷺ سے استنباط کرتے رہے ہیں وہیں نصوص کی روشنی میں قواعد فقہیہ مرتب کیے جاتے رہے اور ان کی مدد سے آسانی کی خاطر حلال و حرام کے امور میں رہنمائی فراہم کی جاتی رہی ہے۔ عصر حاضر میں غذا میں حلت و حرمت کے مسائل، جو موجودہ زمانے کی تیز رفتار ترقیوں کے باعث گھمبیر ہوتے جا رہے ہیں، قواعد فقہیہ کی روشنی میں زیر بحث لائے جا رہے ہیں۔ لہذا جن قواعد فقہیہ کے ضمن میں غذاؤں کی حلت و حرمت کے مسائل بیان کئے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

(ا) اشیاء میں حلت و حرمت کے تعین کا حق اللہ تعالی کو حاصل ہے:

غذا میں حلت و حرمت کے سلسلے میں اولین قاعدہ یہ ہے کہ تحلیل و تحریم کا حق صرف اللہ تعالی کو حاصل ہے۔ کسی شے کو حلال قرار دینا ہو یا کسی شے کی حرمت کا تعین کرنا ہو ان دونوں کا حق اللہ تعالی کے پاس ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے:

"قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ اللهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا قُلْ آللهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللهِ تَفْتَرُونَ." [6] کہو! تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لیے اتارا، اس میں سے تم نے کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرایا، کہہ دیجئے کیا اللہ نے تمہیں اس کا مجاز ٹھہرایا تھا یا تم اللہ کے بارے میں افتراپردازی کر رہے ہو۔

اسی طرح اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

''وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِتَفْتَرُوا عَلَى اللهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ." [7] یہ جو تمہاری زبانیں اللہ پر افترا کرتے ہوئے جھوٹ احکام منسوب کر دیتی ہیں کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے، تو ایسی باتیں نہ کرو، جو لوگ اللہ پر افتراپردازی کرتے ہیں وہ ہر گز کامیاب نہ ہوں گے۔

ایک روایت کے مطابق جب نبی کریم ﷺ سے پنیر، گھی اور گورخر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"الْحَلَالُ مَا أَحَلَّاللهُ فِي كِتَابِهِ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللهُ فِي كِتَابِهِ، وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ مِمَّا عَفَا عَنْهُ."[8] حلال وہی سمجھا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال قرار دیا ہے اور اسی کو حرام سمجھا جائے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا ہے، رہی وہ چیزیں جن کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی گئی ہے وہ معاف ہیں۔

اسی طرح فرمان رسول ﷺ ہے:

ما احل الله فهوحلال وماحرم فهوحرام.[9] جس شے کو اللہ تعالیٰ نے حلال گردانا وہ حلال ہے اور جسے اللہ تعالیٰ حرام کہہ دیں وہ حرام ہے۔

اوپر بیان کئے گئے نصوص سے مترشح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تحریم و تحلیل کا حق رکھتے ہیں جس کی حرمت کی وہ اپنے کلام پاک میں یا اپنے رسول ﷺ کی زبانی انسانوں کو آگاہی دیتے ہیں، کیوں کہ کسی فرد کا خواہ وہ کس قدر بڑا عالم یا فقیہ کیوں نہ ہو یا کسی بھی مذہب کا رہنما و پیشوا ہو اس کے لئے ہر گز روا نہیں ہے کہ وہ تحلیل و تحریم کا حق اپنے ہاتھ میں لے کیوں کہ قرآن حکیم کی رو سے یہ صریح شرک ہے اور اس پر مذکورہ آیات شاہد ہیں۔

(۲) اشیاء میں اصل اباحت ہے:

اللہ تعالیٰ نے جو اشیاء انسان کے لئے پیدا کی ہیں ان میں بیشتر اشیاء حلال ہیں اور حرام اشیاء محدود ہیں۔ اسی نکتے کو فقہاء نے اس انداز سے واضح کیا ہے کہ اشیاء کی اصل نوعیت ہی یہ ہے کہ انہیں مباح سمجھا جائے گا الا آنکہ کسی چیز کی حرمت صریح دلیل سے ثابت ہو جائے۔ اس کی دلیل قرآن حکیم کی آیت کریمہ ہے جس میں اس حقیقت کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ کائنات اور اس میں جو کچھ موجود ہے اسے اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔ فرمان ربانی ہے:

"هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا."[10] وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین ہیں موجود ہر چیز کو تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے۔

حقیقت میں جب کائنات میں موجود تمام دور و نزدیک کی اشیاء پر نظر ڈالی جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کی اور بالخصوص روئے زمین کی اشیاء کو انسان کے مفاد میں اور انسانوں کا خدمت گزار بنا کر پیدا کیا ہے۔ انسان ان اشیاء سے اسی وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے جب شرعاً اس کے لیے فائدہ اٹھانا جائز بھی ہو۔ اس لیے اشیاء میں اباحت کا پہلو زیادہ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ اس بارے میں حرمت اور توقف کے اقوال بھی منقول ہیں لیکن جس قول کو ترجیح دی گئی ہے وہ یہی ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے، یہاں ہم اس کی تفصیل میں نہیں جائیں گے۔ الاصل فی الاشیاء

الاباحة۔[11] اس قاعدے میں جو اباحت کا ذکر کیا گیا ہے وہ ان اشیاء کے بارے میں ہے جن کی حلت و حرمت کے بارے میں نصوص خاموش ہیں۔ جن اشیاء کو نصوص میں حلال یا حرام قرار دے دیا گیا ہے وہ اشیاء تو نص کی تصریح کے مطابق حلال یا حرام ہی قرار دی جائیں گی۔ اسی پہلو کو نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

"ما احل الله فهوحلال وماحرم فهوحرام وماسكت عنه فهوعفو فاقبلوا من الله عافيته فان الله لم يكن لينسى شيئا."[12] جس شے کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے وہ حلال ہے اور جسے حرام قرار دے دیا ہے وہ حرام ہی ہے اور جس شے کے بارے میں خاموشی اختیار فرمائی ہے وہ معاف ہے (یعنی دوسرے لفظوں میں وہ شے مباح ہے) اللہ تعالی کی طرف سے مہیا کردہ عافیت کو قبول کرلو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ تعالی کسی چیز کو فراموش کرنے والے نہیں ہیں۔ (کہ کسی شے کی حلت و حرمت جیسا اہم معاملہ بیان کرنے سے رہ گیا ہو، ایسا ممکن نہیں)

ان تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ اشیاء میں اصل حلت ہے اور حرمت کا تعین کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اسی طرح بدن مسلم کے سلسلے میں اصل حکم طہارت کا ہے اور نجاست یا ناپاکی ایک طرح کا عارضی امر ہے اور اصل کو ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کھانے پینے کی چیزوں کے سلسلے میں واضح رہے کہ جہاں کوئی حرمت کی دلیل نہ ہو تو اسی قاعدے یعنی اشیاء میں اصل اباحت ہونے کی رو سے اس شے کو حلال قرار دیا جاتا ہے۔

انسانی ضرورت کی اشیاء میں سے غذاؤں سمیت کئی ایک دواؤں میں جلاٹین اور الکحل کا استعمال بڑے پیمانے پر کیا جارہا ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ ان کا اصل منبع جہاں سے یہ اجزاء حاصل یا تیار کئے جارہے ہیں وہ حرام جانور ہوں البتہ اس کے باوجود بعض اشیاء میں خنزیر اور مردار جانوروں کی چربیاں ملائی جاتی ہیں۔ دنیا میں جس تیزی کے ساتھ آبی ذخائر میں کمی واقع ہو رہی ہے اس کمی اک ازالہ کرنے کے لئے ناپاک پانی کو پینے اور دیگر استعمال میں لانے کے لیے کیمیاوی طریقے سے صاف کر کے قابل استعمال بنایا جاتا ہے اور اس کی ٹیکنالوجی اب عام ہوتی جارہی ہے۔ جانوروں کی غذا کے طور پر جانوروں کے فضلات اور آلائشوں کی آمیزش سے مصنوعی غذا تیار کی جاتی ہے۔ ان میں سے جو اشیاء ناپاک ہوں، حرام جانوروں سے حاصل کی گئی ہوں ان کی ماہیت کو کیمیائی عمل کے ذریعے تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ گویا آج کل صنعتوں میں کیمیائی عمل کے بعد اشیاء کی اصل ماہیت تبدیل کر دی جاتی ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ماہیت مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے اور اس طرح ماہیت کی تبدیلی کے بعد ان کے حکم میں تبدیلی آسکتی ہے یا نہیں؟ ان معاملات کا گہری نظر سے جائزہ لینے کی ضرورت

سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔اس سلسلے میں یہ ضرور پیش نظر رہنا چاہئے کہ فقہاء نے تبدیلی ماہیت کی ضابطہ بندی کی ہے جس کی روشنی میں ماہیت بدل جانے کی صورت میں شے کے سابقہ حکم میں تبدیلی آسکتی ہے۔اس حوالے سے مزید بیان کیا گیا ہے کہ ناپاک شے کی تطہیر کا ایک عام ضابطہ استحالہ اور تبدیلئ ماہیت کا ہے یعنی شے کی اپنی حقیقت اور ماہیت تبدیل ہو جائے تو شے کا سابقہ حکم باقی نہیں رہتا چنانچہ اس سلسلے میں ایک نظیر یہ پیش کی جاتی ہے کہ جب کوئی کتا نمک کی کان میں گر کر نمک کا حصہ بن جائے اور اسی طرح اگر گوبر آگ میں جل کر راکھ کا حصہ بن جائے تو ان دونوں صورتوں میں نمک اور راکھ شرعا پاک سمجھے جاتے ہیں،اور جب اس کی وجہ پر غور کیا گیا تو یہ معلوم ہوا کہ :

”وجهُ قولِ مُحَمَّد أَنّ النجاسة لَمَّا استحالَت، وتبدَّلت أَوصافها ومعانيها خرجت عن كونها نَجاسَة؛ لِأَنّها اسمٌ لِذاتٍ موصُوفة، فتنْعدم بانعدام الوصف، وصارت كالخمر إذا تخللَت۔ “[13] احناف میں سے امام محمد کی طرف منسوب اس قول کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ نجس شے کی حقیقت اس کے اوصاف وغیرہ میں تبدیلی کی وجہ سے تبدیل ہو جائیں تو اس صورت میں وہ شے نجس نہیں رہتی کیونکہ نجس یا ناپاک ہونا کسی خاص شے میں پایا جانے والا ایسا وصف ہے جس کے ختم ہونے سے ظاہر بات ہے کہ اس شے پر نجاست کا اطلاق نہیں کیا جا سکے گا اور اس کی ماہیت بھی ویسے ہی تبدیل مانی جائے گی جیسے شراب کی ماہیت تبدیل ہو کر وہ سرکہ بن جائے تو نجس نہیں رہے گا۔

(۳) یقین کو شک کی وجہ سے نہیں بدلا جا سکتا اور نہ یقین کو شک کی وجہ سے ختم کیا جا سکتا ہے:

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ کسی شے کے بارے میں حلال ہونے کا حکم لگانا یا کسی شے کے پاک ہونے کے بارے میں فیصلہ کرنا ان امور میں سے ہیں کہ جنہیں شریعت میں بنیادی،اہم ہی نہیں سمجھا جاتا بلکہ ایسے امور کا فیصلہ یقین کی حد تک علم نہ ہونے کی صورت میں نہیں کیا جا سکتا اور اسی طرح اشیاء کے بارے میں اس کے برعکس حکم لگانا اس وقت تک درست نہیں جب تک کہ وہ برعکس حکم لگانے کے لئے کوئی یقینی دلیل نہ پائی جائے محض وہم یا شک کی بنیاد پر کسی شے کی حرمت یا نجاست کا حکم نہیں لگایا جا سکتا اور اسی سلسلے میں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے: الیقین لایزول بالشک-[14]

اس قاعدے کی بنیاد نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے:

”اذا وجد احدکم فی بطنه شیئافاشکل علیه،اخرج منی شئی ام لا،فلایخرجن من المسجدحتی یسمع صوتااویجدریحا“ [15] جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ

محسوس کرے اور اس پر معاملہ خلط ملط ہو جائے یعنی اسے سمجھ ہی نہ آ رہی ہو کہ ریح خارج ہوئی ہے یا نہیں تو ایسی صورت میں اسے یہ سمجھ کر کہ وضو ٹوٹ گیا ہے مسجد سے نہیں نکل جانا چاہئے الا آنکہ جب تک اسے ریح کی آواز نہ سنائی دے یا وہ اس کی بو نہ سونگھ لے۔

اس قاعدے کی تفہیم کی غرض سے ایک نظیر جو کتب فقہ میں مذکور ہے بیان کی جا رہی ہے۔ مثال کے طور پر اگر گوشت کی خریداری کے وقت خریدنے والا یہ دعویٰ کر دے کہ اس کے ہاتھ فروخت کیا جانے والا گوشت مردار جانور کا ہے یا وہ کہے کہ یہ گوشت کسی غیر مسلم مجوسی کے ہاتھ سے ذبح کئے ہوئے جانور کا ہے لیکن فروخت کرنے والا خریدنے والے کے ان دعووں کی تردید کرتا ہو تو اس صورت میں فروخت کنندہ کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور خریدار کے شک کو اہمیت نہیں دی جائے گی حالانکہ بالعموم تجارتی سودوں میں خریدار کے قول کو اہمیت حاصل ہوتی ہے۔[16]

اگر کسی شے کی حلت و حرمت کے معاملے میں دلائل باہم متضاد ہوں تو احتیاط پر مبنی پہلو پر عمل کیا جائے گا البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ احتیاط صرف اس میں منحصر نہیں ہے کہ کسی چیز کو ہر صورت حرام ہی قرار دیا جائے بلکہ احتیاط کا تقاضا یہ بھی ہے کہ اصل حکم پر عمل کیا جائے اور یہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے الا آنکہ اس شے کی حرمت کی واضح دلیل موجود ہو۔[17] اسی طرح حلت و حرمت کا فیصلہ محض بے بنیاد خبروں اور افواہوں کی بنیاد پر نہیں کیا جا سکتا کہ جس کے پیچھے کوئی حتمی معلومات یا دلائل نہ ہوں یا جس بات کے کہنے والے کا کوئی اتا پتا نہ ہو ایسی صورت میں کسی شے کی حرمت کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے اب یہ کام اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ مسلم دنیا یا جہاں بھی مسلمان آباد ہیں بلکہ اہل کتاب میں سے جو حلال فوڈ کے حوالے سے محتاط رہتے ہیں سب کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے حلال سرٹیفکیشن کے ادارے وجود میں آ چکے ہیں۔

یہ سب کچھ اس ایک پہلو کو سامنے رکھ کر کیا جا رہا ہے جس کی حد بندی شریعت نے کر دی ہے کہ یقین کو شک سے نہیں بدلا جا سکتا۔ مزید برآں اسی قاعدے کی ضمن میں کتب فقہ میں ایک اور اصول غلبۂ ظن کا بھی ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا تصور کچھ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جس چیز کی حلت و حرمت کے بارے میں بہت واضح طور پر کوئی دلیل موجود نہ ہو لیکن ظاہری حالات سے اس کی حلت یا حرمت میں سے کسی ایک پہلو کا غالب گمان حاصل ہو رہا ہو تو ایسی شے کے بارے میں غالب گمان کی بنیاد پر لگائے جانے والے حکم کو معتبر قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں امام سیوطیؒ اور علامہ ابنِ نجیمؒ نے بطور مثال چند امور ذکر کئے ہیں۔

امام سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ اگر کسی جگہ حلال جانور کا گوشت پایا جائے اور لوگ اس بارے میں شک میں مبتلا ہوں کہ یہ گوشت مردار کا ہے یا یہ جانور حلال ہے اور شرعی احکام کے مطابق ذبح کیا گیا ہے تو ایسی صورت حال میں اس جانور کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے خواہ اس جانور کے غیر شرعی ذبیحہ ہونے یا قرار دیے جانے کا کوئی قرینہ نہ پایا جاتا ہو۔ اس کی ایک اور صورت یہ ہے جس کا تذکرہ دیگر مجتہدین نے کیا ہے کہ اگر اس مقام کی آبادی کی اکثریت جہاں حلال جانور کا گوشت پایا گیا ہے مجوسیوں کی ہو تو غالب گمان کی بنا پر گوشت کو نجس قرار دیا جائے گا اور اگر وہاں رہنے والوں کی اکثریت مسلمانوں کی ہو تو وہ گوشت حلال تصور کیا جائے گا۔[18]

ابنِ نجیمؒ نے اس سلسلے میں ایک اور قاعدہ ذکر کیا ہے جو امام سیوطیؒ کے ہاں امام شافعیؒ کے حوالے سے منقول ہے:

"ان ما ثبت بيقين لا يرتفع الا بيقين".[19] بلاشبہ جو چیز یقینی طور پر ثابت ہو اس کا ثبوت اسی جیسی یقینی دلیل کے بغیر ختم نہیں ہوگا۔

ابنِ نجیمؒ نے اس میں اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

والمراد به غالب الظن.[20] یعنی اس قاعدے میں لایرتفع الا بيقين سے مراد غلبۂ ظن ہے۔

آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

"وغالب الظن عندهم ملحق باليقين وهوالذى مايبتنى عليه الاحكام."[21] غالب گمان کو فقہاء نے یقین کے ساتھ مربوط قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں احکام اسی بنیاد پر لاگو کیے جاتے ہیں۔

غالب گمان کے درج بالا اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے قرار دیا جاسکتا ہے کہ بالعموم مسلمانوں کے بازاروں میں جو چیزیں فروخت کی جارہی ہیں اگرچہ ان میں یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ ان میں چوری یا غصب کا مال ہو لیکن مسلمانوں کی اکثریت ایسے کاموں سے پرہیز کرتی ہے اس لیے بلا تحقیق مسلمانوں کے بازاروں میں خرید وفروخت کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح ہم پہلے نقل کرچکے ہیں کہ مسلم اکثریتی آبادی کے بازار میں بکنے والا گوشت خریدنا اور استعمال کرنا جائز ہے کیوں کہ ایسی صورت میں غالب آبادی کے مسلمان ہونے کا قرینہ معتبر سمجھا جائے گا الا یہ کہ اس کے خلاف کوئی ایسی نمایاں دلیل یا قرینہ پایا جاتا ہو جس کی بنیاد پر اس شے کی حرمت کا حکم صادر کرنا پڑے۔

(۴) جب کسی شے میں حلال و حرام دونوں پہلو جمع ہو جائیں تو حرمت کے پہلو کو ترجیح دی جائے گی:

کسی شے میں حلال اور حرام دونوں پہلو جمع ہو جانے کی صورت میں حرمت کے پہلو کو ترجیح حاصل ہو گی۔اس سلسلے میں جو قاعدہ ذکر کیا جاتا ہے وہ یہ ہے: "اذا اجتمع الحلال و الحرام غلب الحرام".[22] اس سے ملتے جلتے الفاظ میں محدثین نے حدیث رسول ﷺ بھی بیان کی ہے۔

"ما اجتمع الحلا ل والحرام الا غلب الحرا م الحلال".[23]

امام سیوطیؒ اور ابن نجیمؒ نے اس قاعدے کی بنیاد پر غذا کی حلت و حرمت کے سلسلے میں کئی نظیریں بیان کی ہیں۔[24] مثلاً:

- جانور کو ذبح کرتے وقت چھری مسلمان کے ہاتھ میں ہے لیکن غیر مسلم نے مسلمان کا ہاتھ پکڑ کر چھری چلا دی تو ایسا ذبیحہ حلال نہیں ہے۔
- اگر مردار کی چربی تیل کے ساتھ مل جائے تو ایسے تیل کا استعمال جائز نہیں ہے۔البتہ شدید ضرورت میں جائز ہے۔
- اگر گائے کا دودھ کسی وجہ سے گدھی کے دودھ میں مخلوط ہو جائے تو ایسے دودھ کو استعمال کرنا درست نہیں ہے۔
- اور اگر کتے کے اختلاط سے بکری کا بچہ پیدا ہوا تو وہ حلال نہیں ہو گا۔ گدھے اور گھوڑی سے مل کر خچر پیدا ہوا تو اس کی قربانی جائز نہیں۔
- اسی طرح اگر ذبح شدہ جانور اور مردار جانور کے درمیان اشتباہ ہو جائے تو اس صورت میں غور و خوض کیے بغیر ان سب کا استعمال ممنوع ہو گا لیکن اس کی مزید تفصیل کرتے ہوئے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر مردار ایک آدھ ہو جو تمام شہر کے ذبح شدہ جانوروں کے ساتھ مخلوط ہو جائے تو اس صورت میں بلا اختلاف تمام جانور جائز ہیں۔

درج بالا قاعدے اور اس کے نظائر کے پیش نظر یہ کہنا درست ہے کہ جب حلال و حرام میں اشتباہ آجائے تو اس صورت میں احتیاطاً حرمت کا پہلو قابل ترجیح ہو گا سوائے اس صورت کے کہ جب حلت کے پہلو کو قرائن کی مدد سے ترجیح دی جا سکتی ہو یا شدید ضرورت کی بنا پر اس کے سوا کوئی چارہ کار یا کوئی متبادل صورت نہ ہو۔

(۵) نقصان کا ازالہ کیا جائے گا:

نقصان سے بچنا شریعت کے مقاصد میں سے ایک ہے اور اسی سلسلے میں یہ قاعدہ بیان کیا جاتا ہے الضرر یزال.[25]

نبی اکرم ﷺ کی ایک روایت اسی مفہوم میں بیان کی گئی ہے :

"لاضرر ولا ضرار".[26](اسلام کی رو سے) نہ تو خود نقصان اٹھانا درست ہے اور نہ ہی دوسرے کو نقصان پہنچانا درست ہے۔

شریعت میں دفع مضرت یعنی نقصانکے ازالے اور اس سے بچانے کو نمایاں اہمیت دی گئی ہے اور اس کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے حفظ جان اور حفظ مال کو مقاصد شریعت کا اہم حصہ شمار کیا گیا ہے اور اس کے بغیر شریعت کے مقاصد و محاسن کی آبیاری ممکن نہیں۔اس لیے فلاح و بہبود ،امنِ عامہ، صحت و صفائی کے تصورات کو روزِاول سے شریعت نے مقدم رکھا ہے اور انہیں بنیادوں پر اسلام کا نظام معاشرت تشکیل دیا گیا ہے ۔اس لیے انسان کے لیے تیار کی جانے والی غذاؤں اور اشیاۓ خورونوش میں ان پہلوؤں کو مدِ نظر رکھنا شریعت کا بنیادی تقاضا ہے کہ ان اشیاء کی تیاری میں اور ان اشیاء کو محفوظ بنانے میں استعمال ہونے والے اجزاے ترکیبی کے بارے میں یہ یقینی بنایا جائے کہ وہ اجزاء ضرر رساں نہیں بلکہ انسانی صحت کے ضامن ہوں۔

اسی قاعدے سے مماثل ایک اور قاعدہ کتب قواعد فقہیہ میں مذکور ہے جس سے اس قاعدے کا تصور زیادہ نمایاں ہوتا ہے :

"درء المفاسد اولیٰ من جلب المصالح."[27] مفاسد یعنی خرابیوں اور نقصانات سے چھٹکارا پانا مصالح یا فوائد حاصل کرنے سے مقدم (زیادہ بہتر) ہے۔

ان قواعد کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان کی رعایت کرتے ہوئے شریعت میں ان اشیاء کی ممانعت وارد ہوئی ہے جس میں جسمانی طور پر یا مالی طور پر انسان کا نقصان سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہو۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد مبارک ہے :

> "ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما".[28] اور اپنے آپ کو خود قتل نہ کرو یعنی خود کو ہلاکت میں مبتلا مت کرو اور بلاشبہ اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔

اسی بنیاد پر شریعت میں حلال و حرام کے تصورات پیش کئے گئے ہیں کہ جس چیز کا کھانا ضرر رساں ہو اس کا کھانا حرام ہے اور ہر وہ پاکیزہ اور طیب چیز جس میں ضرر نہیں ہے اسے کھانا جائز رکھا گیا ہے۔

حلال کا فروغ ایک اہم تقاضا:

مذکورہ بحث سے ایک اہم عصری تقاضے کی جانب نشان دہی ہوتی ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں جب کہ حلال و حرام کو آپس میں خلط ملط کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں مسلمانوں کو خواہ ان کا تعلق کسی بھی طبقے یا شعبہ حیات سے ہو مشترکہ طور پر اس ذمے داری کو ادا کرنا چاہئے کہ حلال کو فروغ دیں اور حرام کی راہیں مسدود کرنے کی مخلصانہ جدوجہد کریں۔ حلال و حرام سے متعلق نصوص اور مذکورۃ الصدر قواعد فقہیہ کی روشنی میں تجزیہ کیا جائے تو بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ حلال و حرام غذاؤں کے تعین کے لیے شریعت کے معیارات کیا ہونے چاہئیں۔ شریعت کے حلال و حرام کے متعین اور دوٹوک معیارات ہیں جب کہ عصرِ حاضر میں دنیا میں رائج مختلف ملٹی نیشنل کمپنیوں کے اپنے علاحدہ معیارات ہیں جن کے کاروباری دنیا میں مارکیٹنگ اور اپنی پراڈکٹ کو بڑے پیمانے پر فروخت کرنے کے مخصوص اہداف کسی سے پوشیدہ نہیں۔ صحت وصفائی کے حوالے سے بھی ان کمپنیوں کے اپنے ہی معیارات ہیں کہ ان کمپنیوں نے ایک طرف ظاہری صفائی ستھرائی اور مضر صحت اشیاء کے استعمال کے حوالے سے سخت ترین شرائط وضوابط لاگو کررکھی ہیں دوسری طرف ان کی نظر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی جانب سے واضح طور پر حرام قرار دیے گئے خنزیر کے گوشت اور خمر کو بلاتامل دنیا میں فروغ دیا جارہا ہے جنہیں خبیث (انتہائی نجس، ناپاک اور مضر صحت) بلکہ ام الخبائث ہونے کی بنا پر حرام قرار دیا گیا ہے۔ فی زمانہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آچکی ہے کہ سرمایہ دارانہ سوچ اور مقاصد پر کارفرما ملٹی نیشنل کمپنیوں نے مسلمانوں پر بالخصوص اور تمام انسانیت پر بالعموم یلغار کردی ہے اور یہ کمپنیاں حرام اجزا کو غذائی اشیاء میں ملا کر دنیا کو حرام کا عادی بنانے میں مصروف ہیں۔ اسلام سمیت بالعموم تمام مذاہب میں سور کے گوشت اور شراب کو حرام سمجھا جاتا ہے لیکن ملٹی نیشنل کمپنیاں مذاہب عالم کی مشترکہ تعلیمات سے انحراف کی مرتکب ہورہی ہیں۔ ان کمپنیوں نے کہیں تو بلاواسطہ طور پر انسانوں کو حرام کھانے کا عادی بنادیا ہے اور جہاں مزاحمت کا امکان ہوسکتا ہے وہاں انہوں نے بالواسطہ طور پر حلال غذائی اشیاء کو ان میں حرام اجزاے ترکیبی ملاکر مضر صحت بنادیا ہے۔ ان کمپنیوں کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ غذائی اشیاء کو لمبے عرصے تک محفوظ رکھنے کے لیے اسی طرح ان کے ذائقے اور رنگ کے نام پر ان میں مختلف اجزاء شامل کرتے ہیں اور ان اجزاے ترکیبی کی فہرست ایسے کوڈز کی مدد سے پیش کی جاتی ہے جنہیں پہچاننا عام افراد کے لیے مشکل ہے۔ بعض اوقات غذاؤں اور دواؤں میں مختلف حرام اجزاء کا استعمال کیا جاتا ہے ان میں جلاٹین (Gelatin)، الکحل، جانوروں کے فضلات اور خون وغیرہ شامل ہیں۔ جلاٹین جانوروں کی ہڈیوں اور کھالوں سے حاصل ہونے والے کولاجین (Collagen) سے بنتا ہے یہ جانور خنزیر بھی ہوسکتے

ہیں اور دیگر مردار یا غیر شرعی مذبوحہ جانور بھی۔اسی طرح خنزیر کے گوشت کی اوپری پرت سے بنے جلاٹین کو بطور خاص کیپسول میں شفافیت اور لچک لانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔تاہم جلاٹین حلال مذبوحہ جانوروں سے بھی حاصل کی جاتی ہے جس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ میتھائل اور ایتھائل الکحل دونوں نشہ آور ہوتے ہیں۔ مختلف مشروبات اور دواؤں میں زیادہ تر ایتھائل الکحل استعمال کی جاتی ہے۔علاوہ ازیں جانوروں کے لیے مصنوعی غذاؤں کی تیاری میں گیہوں اور مکئی کے چوکر، مختلف سبزیوں اور پھلوں کے چھلکوں کے ساتھ نجاست، کھال،ہڈی آنتیں وغیرہ بھی ملائی جاتی ہیں کیوں کہ ان سے مرغیوں اور پرندوں کی غذا میں بڑی مقدار میں پروٹین حاصل کی جاتی ہے۔[29]

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے فیصلے میں مذکورہ بالا اشیاء کے بارے میں جو اصولی نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

''اکیڈمی کے سامنے مختلف فنی ماہرین کے ذریعے جو تحقیقات سامنے آئی ہیں،اس کے مطابق جلاٹین میں جن جانوروں کی کھال یا ہڈیوں سے اسے حاصل کیا گیا ہو،ان جانوروں کی کھالوں اور ہڈیوں کی اصل حقیقت باقی نہیں رہتی جن کے کولاجن سے جلاٹین بنایا جاتا ہے بلکہ وہ ایک نئی حقیقت کے ساتھ نئی چیز ہو جاتی ہے اس لیے اس کے استعمال کی گنجایش ہے۔... بعض دواؤں میں ایتھائل الکحل استعمال ہوتا ہے یہ نشہ آور ہے،اور دوا میں شامل ہونے کے باوجود بھی اس کی حقیقت میں تبدیلی رونما نہیں ہوتی لیکن علاج و معالجہ کے باب میں شریعت نے جو سہولت روا رکھی ہے اس کے تحت مجبوراً الکحل آمیز ادویہ کا استعمال درست ہے۔"[30]

''جانوروں کی آلایشوں اور فضلات کی آمیزش سے جانوروں کے لیے تیار کی گئی غذاؤں پر بھی قلبِ ماہیت کے اصول کا اطلاق ہوگا۔"[31]

اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے اسی سیمینار میں جس میں قلبِ ماہیت کے اصول کے تحت جلاٹین کے استعمال کی گنجایش کا فیصلہ صادر کیا، مسلمان صنعت کاروں سے یہ اپیل بھی کی کہ: ''وہ حلال جانور اور اس کے حلال اور پاک اجزاء سے جلاٹین تیار کریں تاکہ اس کے حلال و پاک ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔[32]

اسی طرح اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۵تا۱۰ جنوری ۲۰۱۰ء میں دواؤں میں الکحل کے استعمال سے متعلق مشروط اور محدود استعمال کا جواز بیان کرتے ہوئے تمام ادویہ سازی سے منسلک مسلمانوں کے اداروں پر زور دیا ہے کہ:

''دواؤں میں الکحل کے استعمال سے بچنے اور اس کا متبادل تلاش کرنے میں حتی الامکان کوشش کریں۔''[33]

علاوہ ازیں دل کی بیماریوں میں ایک مانع انجماد خون دوا(New Heparin) کی تیاری میں خنزیر سے حاصل شدہ اجزاء کے سلسلے میں استحالہ کے اصول کی بنیاد پر اکیڈمی نے جواز کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے اسلامی ممالک کی وزارت صحت سے منسلک ذمہ داران سے اپیل کی کہ وہ ایسی دواؤں کی تیاری میں خنزیر کے بجائے صحت مند گائے اور بیل کے اجزاء استعمال کرنے پر ادویہ ساز اداروں کو آمادہ کریں۔[34]

درج بالا فیصلوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اس حقیقت کو تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں اور احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ خنزیر، الکحل، جانوروں کے فضلات اور خون کی آمیزش اور دیگر اجزاء سے تیار کی گئی غذائی مصنوعات اور ادویات سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے لیکن اس سلسلے میں بڑی دشواری یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں Food Science اور ادویہ سازی کے میدان میں مزید ترقی و توسیع کا سلسلہ جاری ہے اور اس کی قیادت ان لوگوں یا اداروں کے ہاتھ میں ہے جن کی اپنی اقدار ہیں اور وہ مسلمانوں کی اقدار کا خیال رکھنے کے پابند نہیں۔اس لیے انسانیت کو اس مشکل صورت حال سے نجات دلانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میدان میں مسلمان دینی اقدار و روایات کے ساتھ پیش رفت کریں۔امید افزا پہلو یہ ہے کہ یہ آواز ہر طرف سے بلند ہو رہی ہے اور اب پاکستان سمیت تمام مسلم دنیا میں اور جہاں بھی مسلمان آباد ہیں حلال کو فروغ دینے کے لئے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔

پاکستان میں حلال سرٹیفکیشن کی ابتدا اور ارتقا :

یہ خوش آئند امر ہے کہ دنیا بھر میں حلال غذا کا تعین کرنے کے لئے باقاعدہ ادارے قائم کئے جا رہے ہیں ۔حکومتی سطح پر مسلم ممالک میں اور بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے ادارے اور اتھارٹیز قائم کر دیے گئے ہیں، ان کے باقاعدہ خطوط کار اور رہنما ضابطے وضع کئے گئے ہیں جن کی روشنی میں بورڈ فیصلے کرتے ہیں اور ان بورڈز میں صرف ماہرین شریعت ہی نہیں بلکہ غذائی اجزاء اور ان کی عالمی سطح پر فراہمی کے بارے میں مکمل معلومات رکھنے والے ماہرین اور انتظامی محکموں سے تعلق رکھنے والے منتخب عہدیداران بھی شریک ہیں۔اس طرح اندرون ملک تیار یا پیک کی جانے والی کسی قسم کی غذائی مصنوعات یا بیرون ملک سے درآمد کی جانے والی غذائی اجناس کے بارے میں یہ تعین کیا جا سکتا ہے کہ ان غذائی مصنوعات میں کسی قسم کے ممنوعہ یا حرام اجزاء کی آمیزش نہیں کی گئی ہے،ان اداروں میں کئی ایک ادارے حکومتی انتظام سے ہٹ کر بھی قائم کئے گئے ہیں۔پاکستان میں حلال سرٹیفکیشن کی باضابطہ سرگرمیاں قدرے تاخیر سے شروع ہوئیں اس

کی وجہ شاید یہ رہی ہو کہ پہلے پہل ملک میں غذائی اجناس کے حوالے سے درآمدات پر زیادہ انحصار نہیں کیا جاتا تھااور اس کے علاوہ یہ بات اپنی جگہ اہم ہے کہ معاشرے کی مجموعی اخلاقی صورتحال کے تناظر میں حلال و حرام کی رعایت بالعموم ہر طرح کے معاملات میں رکھی جاتی تھی۔ضابطہ بندی و قانون سازی کی ضرورت اسی وقت محسوس کی جاتی ہے جب معاشرے میں کوئی غلط روایت پروان چڑھ رہی ہو مزید برآں یہ کہ اشیائے خورونوش میں ہر گزرتے دن کے ساتھ تنوع اور پیچیدگی بھی بڑھتی جارہی ہے اس لئے اس امر کی ضرورت تھی کہ ان امور کے حوالے سے نہ صرف ضابطہ بندی اور قانون سازی کی جائے بلکہ ایسے محکمے اور ادارے قائم کئے جائیں جو اشیائے خورونوش اور دیگر استعمال کی اشیاء کے بارے میں شرعی اصولوں کے مطابق حلال و حرام کا تعین کر سکیں۔پاکستان میں ۱۹۹۶ء میں حلال سرٹیفکیشن کے حوالے سے ابتدائی کام ہوا جسے بعد ازاں نظرثانی کے مراحل سے گزارا جاتا رہاتاہم اس سلسلے میں ایک اہم قدم اس وقت اٹھایا گیا جب پاکستان اسٹینڈرڈ اینڈ کوالٹی کنٹرول اتھارٹی(PSQCA) کی جانب سے اسٹینڈرڈ کی تیاری کا کام شروع کیا گیااور اس ضمن میں دو اہم اسٹینڈرڈ تیار کئے گئے،ان میں سے ایک PS: 3733 ہے جو حلال سرٹیفکیشن باڈی کے لئے ہے جس کااطلاق حلال سرٹیفکیشن باڈی مینوفیکچرنگ کمپنی پر کرتی ہے جب کہ وہ کمپنی اپنی کسی پراڈکٹ کی حلال سرٹیفکیشن کرانا چاہتی ہو اور دوسرا اسٹینڈرڈ PS: 4992 ہے اس کا اطلاق پاکستان نیشنل ایکریڈیشن کونسل (PNAC) حلال سرٹیفکیشن باڈی پر کرتی ہے یعنی کسی حلال سرٹیفکیشن باڈی کی رجسٹریشن اور اس کی سرٹیفکیشن کی تصدیق کونسل کی جانب سے اس اسٹینڈرڈ کی روشنی میں کی جاتی ہے۔

پاکستان نیشنل ایکریڈیشن کونسل (PNAC) کی ویب سائٹ[35] پر جن حلال سرٹیفکیشن باڈیز کا تذکرہ کیا گیا ہے ان میں درج ذیل کمپنیاں شامل ہیں:

ایس جی ایس پاکستان(SGS Pakistan)

آرآئی اینڈ سی اے(Renaissance Inspection & Certification Agency)

ایم ایس بیورو(M/S Bureau Veritas Certification)

پنجاب حلال فوڈ ایجنسی(Punjab Halal Development Agency)

سنہا حلال ایسوسی ایٹس(SANHA Halal Associates Pakistan)

انٹر نیشنل حلال سرٹیفکیشن(International Halal Certification)

پاکستان حلال اتھارٹی کا قیام:

پاکستان میں پاکستان حلال اتھارٹی کا قیام ابتدائی مراحل میں ہے تاہم اس سے پہلے وزارتِ سائنس و ٹیکنالوجی کے تحت قائم اداروں PSQCA اور PNAC کے ذریعے حلال اسٹینڈرز کے اطلاق کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ پاکستان حلال اتھارٹی ایکٹ کے سیکشن ۱۰ کے مطابق اتھارٹی کے اختیارات اور کام جو اتھارٹی کی ویب گاہ پر بتائے گئے ہیں ان میں سے نمایاں یہ ہے کہ کسی قسم کی اشیاء اور بین الاقوامی اور بین الصوبائی سطح پر ہونے والی ان کی خرید و فروخت، نقل و حمل اور درآمد و برآمد ہر ایک کے سلسلے میں وضع کردہ پروگراموں اور منصوبوں میں حلال کو فروغ دینے کی حکمت عملی کی تیاری سے لے کر اس کی تنفیذ تک جملہ امور کو یقینی بنایا جائے۔[36] مارچ 2016ء میں جو پاکستان حلال اتھارٹی ایکٹ گزٹ کیا گیا ہے اس میں حلال سرٹیفکیشن کے سلسلے میں OIC (اسلامی کانفرنس کی تنظیم) کی حلال سے متعلق گائیڈ لائنکو بنیاد بنایا گیا ہے اور حلال اتھارٹی کے دائرہ کار میں ان تمام امور کو شامل کیا گیا ہے۔ ایکٹ کی دفعہ 10(a) میں اتھارٹی کے قیام کا مقصد یہ بتایا گیا:

> "(To)Recommend the Halal Standards developed for articles and processes, to be notified ….in this context the authority may consider the OIC Guidelines in schedule.1, relating to halal foods and articles processes."[37]

اس لحاظ سے استعمال کی جملہ اشیاء حلال فوڈ اتھارٹی کے دائرہ کار میں آتی ہیں اس میں کھانے پینے، ادویات، تزئین و آرائش وغیرہ کی تمام اشیاء شامل ہیں، اس میں حلال ذبیحہ کے متعلقہ امور بھی شامل ہیں۔ ان اشیاء کو استعمال کے قابل بنانے کے لئے تیاری کا مکمل پراسس، نقل و حمل کے لئے پیکنگ یا بیرون ملک سے ان اشیاء کی درآمد ہو یا ان اشیاء کو پیک کر کے بیرون ملک بھجوانا مقصود ہو یہ تمام صورتیں حلال فوڈ اتھارٹی کے دائرہ کار میں آتی ہیں کہ ان میں سے کسی مرحلے میں بھی ممنوعہ اشیاء یا طریق کار اختیار نہ کیا گیا ہو بطور خاص جب کہ مختلف ممالک سے یہ اشیاء درآمد کی جارہی ہوں تو اس کو یقینی بنانا ضروری ہے کہ اس میں مختلف غیر مسلم ممالک اور غیر مسلم کمپنیوں کی مصنوعات شامل ہوتی ہیں کہیں ان میں حرام اجزاء شامل نہ کئے گئے ہوں۔ حلال فوڈ اتھارٹی کے تحت یہ تمام امور آتے ہیں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ اتھارٹی کے تحت OIC (اسلامی کانفرنس کی تنظیم) کی گائیڈ لائن کو بنیاد بنانے کا تذکرہ کیا گیا ہے اس اعتبار سے اتھارٹی پر لازم ہے کہ ملک میں غذائی اجناس، ادویات اور دیگر استعمال کی اشیاء کی تیاری کے عمل سے وابستہ انڈسٹری خواہ یہ اشیاء اندرون ملک فروخت کی جارہی ہوں یا پیکنگ کر کے بیرون ملک بھجوائی جارہی ہوں تو ان میں حرام اجزاء کی آمیزش کے بجائے متبادل حلال ذرائع استعمال

کرنے کی اتھارٹی کی جانب سے نہ صرف یہ کہ ترغیب دی جائے بلکہ تمام انڈسٹریز کو اس کا پابند بنایا جائے اور اس کے لئے دنیا بھر میں موجود ایسے ماہرین کی مشاورت اور معاونت حاصل کی جائے جو ان شعبوں میں مہارت اور تجربہ رکھنے کے ساتھ حرام ذرائع سے چھٹکارا پانے کے لئے فکر مند ہوں جیسا کہ اس سے پہلے قواعد فقہیہ کی روشنی میں واضح کیا جا چکا ہے نیز فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ اور فقہ اکیڈمی انڈیا کی سفارشات میں بھی اسی کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ مزید برآں یہ کہ OIC (اسلامی کانفرنس کی تنظیم) کی گائیڈ لائن میں بھی اس نکتے پر بطور خاص زور دیا گیا ہے:

" (K) Any ingredient derived from the Non Halal Animals is not halal.
L) Formed halal animals which are intentionally and continually fed with non halal food. "[38]

اس گائیڈ لائن میں واضح کیا گیا ہے کہ جہاں غیر حلال جانوروں کی فہرست میں خنزیر، کتا، مردار اور غیر شرعی مذبوحہ شامل ہے وہیں اس میں ان حرام جانوروں سے حاصل شدہ اجزاء بھی حرام سمجھے جائیں گے اور یہ کہ جن حلال جانوروں کی فارمنگ کے دوران انہیں ارادۃً اور تسلسل کے ساتھ حرام غذا دی جاتی رہے تو ایسے جانوروں کو بھی حرام سمجھا جائے گا۔ اس لئے جیسے براہ راست حرام سے بچنا ضروری ہے اسی طرح بالواسطہ طور پر بھی حرام سے بچنا ضروری ہے جس کی دو صورتیں یہاں بیان کی گئی ہیں۔

نتائج وسفارشات وتجاویز:

- اشیاء میں اصل اباحت ہے، غلبۂ ظن کی بنیاد پر حلت و حرمت کا اصول شرع مبین میں معتبر ہے۔ البتہ شک یا کسی کے وہم کی بنیاد پر حلال شے کو حرام اور حرام شے کو حلال گردانا درست نہیں ہے۔ عام مسلمانوں کو اس طرح کے معاملات میں بالخصوص کسی شے کی حرمت کے بارے میں رائے زنی کرتے ہوئے پوری احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ مارکیٹوں میں دستیاب بیرونِ ملک بالخصوص غیر مسلم ممالک سے درآمد کی گئی غذائی پراڈکٹس کے استعمال سے قبل اس بات کا اطمینان کر لینا احتیاط کا لازمی تقاضہ ہے کہ اس میں کسی قسم کے حرام اجزاء کی ملاوٹ نہیں کی گئی ہے اور اس کے بعد اس کا استعمال کیا جائے۔
- حلال اور حرام اجزائے ترکیبی بالخصوص خنزیر اور شراب کی آمیزش سے تیار کی جانے والی غذاؤں اور دواؤں کے بارے میں مسلم اسکالرز، فوڈ انڈسٹری سے وابستہ مسلم صنعتکار، فوڈ انجینئرز و فارماسٹس سے گزارش ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وسیع کائنات میں موجود متبادل ذرائع کو بروئے کار لانے کی حکمتِ عملی کو اپنانا دینی تقاضا ہے۔

- پاکستان حلال فوڈ اتھارٹی سمیت دیگر تمام کوالٹی کنٹرول واسٹینڈرڈز کے اداروں پر لازم ہے کہ وہ حلال کے فروغ کے لئے تشکیل دی گئی پالیسیوں کے اطلاق پر پیش رفت میں تیزی لائیں۔ حلال کو فروغ دینے کے لئے عام صارفین، کاروباری حضرات، صنعتکاروں اور دیگر پروفیشنلز کی وسیع پیانے پر آگاہی کے پروگرام شروع کیے جائیں اس مقصد کے لیے تمام تعلیمی اداروں، مساجد اور مدارس کے مابین ربط وضبط بڑھانے کی ضرورت ہے۔
- خنزیر، الکحل، جانوروں کے فضلات اور خون کی آمیزش اور دیگر اجزاء سے تیار کی گئی غذائی مصنوعات اور ادویات سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے لیکن اس وقت دنیا میں Food Science اور ادویہ سازی کے میدان میں مزید ترقی و توسیع کا سلسلہ جاری ہے اور اس کی قیادت ان لوگوں یا اداروں کے ہاتھ میں ہے جن کی اپنی اقدار ہیں اور وہ مسلمانوں کی اقدار کا خیال نہیں رکھتے۔ اس لیے انسانیت کو اس مشکل صورت حال سے نجات دلانے کے لیے ضروری ہے کہ اس میدان میں مسلمان اپنی دینی اقدار و روایات کے ساتھ پیش رفت کریں جن کی ان شعبوں میں مہارت اور تجربہ ہو۔
- سگریٹ نوشی اور گٹکا دونوں انسانی صحت کے لیے انتہائی مضر ہیں، ان موذی اشیاء کے استعمال کے نتیجے میں دنیا بھر میں کتنے ہی لوگ کینسر جیسی مہلک بیماریوں کا شکار ہو کر موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں اور ہر سال ان موذی اشیا کے استعمال کے سبب ہونے والی اموات میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ قومی و بین الاقوامی ہر دو سطح پر قانون سازی کے ذریعے ان دونوں کے استعمال سے روکنے کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں، اس لیے شریعت کے مذکورہ بالا قواعد کی رو سے جن میں ضرر کے ازالے کی تلقین کی گئی ہے، بعض حضرات نے سگریٹ نوشی کی حرمت کا فتویٰ صادر کیا ہے[39]۔ اسی طرح گٹکے کے بارے میں مضر صحت ہونے کی بنا پر احتراز برتنے کا فتویٰ بھی دیا گیا ہے جسے شریعت کی رو سے حرام نہ بھی قرار دیا جائے تب بھی ان مضر اشیاء کو کراہت سے خالی نہیں کہا جا سکتا۔[40]
- انسانی معاشروں میں ایک طرف بے روزگاری اور غربت کی شرح میں ہر گزرتے دن کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے لیکن اس کے ساتھ روایتی اور غیر روایتی ذرائع ابلاغ پر غذائی اشیاء کے حوالے سے ایسے اشتہارات کی بھرمار ہے جن میں فاسٹ فوڈ، کولڈ ڈرنک اور کھانے کے چٹخارے دار مناظر شامل ہوتے ہیں۔ کھانے کی اشیاء میں لذت اور ذائقے کو بڑھانے کی غرض سے نت نئی ترکیبیں اور مختلف کمپنیوں کے مصالحوں کی سیریز اور کھانے پکانے کی تربیت پر مشتمل طویل پروگرام اور ایسے مقاصد کے لیے مختص کیے گئے کئی چینلز اسی سلسلے کی کڑی ہیں۔ اس

طرح مختلف طریقوں سے گھر میں اور گھر کے باہر یکساں طور پر کھانے پینے کو واحد مقصد زندگی کے طور پر متعارف کرایا جاتا ہے۔اور اس کے ساتھ ایسے تمام افرادِ معاشرہ جو ان تمام لذات دنیا کے حصول کی طاقت نہ رکھتے ہوں،ان کے اذہان و قلوب پر منفی اثرات مرتب ہونا عین فطری ہے اس لئے اس سلسلے میں اسلام کی اعتدال اور میانہ روی کی صفات کو پروان چڑھانے کی ضرورت ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

[1] ۔ ابن نجیم، زین العابدین ،الاشباہ والنظائر ،(بیروت ،دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۳) ،ص: ۶۶،جلال الدین السیوطی، الاشباہ والنظائر (قاہرہ مصر ،المکتبۃالتوفیقیۃ۲۰۱۲ء)،ج:۱،ص: ۱۲۵

[2] ۔ ابن نجیم،الاشباہ و النظائر ،ص: ۵۶،السیوطی،الاشباہوالنظائر،ص: ۱۰۹

[3] ۔ السیوطی،الاشباہ و النظائر ،ج:۱،ص:۸۵۔ابن نجیم،الاشباہ والنظائر ،ص: ۱۶۵

[4] ۔ محمود غازی ، ڈاکٹر ،قواعدِ کلیہ اور ان کا آغاز و ارتقامع اضافات (اسلام آباد،شریعہ اکیڈمی ، انٹر نیشنل اسلامی یونی ورسٹی ،۲۰۱۴ء)،ص: ۱۲۔۱۱

[5] ۔ مصطفیٰ الزرقاء،المدخل الفقھی العام(دمشق،دارالقلم،۲۰۰۴ء)،ج: ۱،ص: ۹۶۵

[6] یونس: ۵۹

[7] النحل: ۱۱۶

[8] ترمذی،أبو عیسی محمد بن عیسی بن سَوْرة ، سنن الترمذي، باب ما جاء في لبس الفراء(مصر،شركة مكتبة مصطفى البابي الحلبي،۱۹۷۵ء) ، ح:۱۷۲۶۔ ابن ماجہ، محمد بن یزید،سنن ابن ماجه،كتاب الاطعمة ،باب اكل الجبن و السمن(دار إحياء الكتب العربية،فيصل عيسى البابي الحلبي)،ح: ۳۳۶۷

[9] ۔ أبو بکر أحمد بن عمرو البزار، مسند البزار، مسند ابی الدرداء رضی اللہ عنہ(المدینۃ المنورۃ،مکتبۃ العلوم والحکم ۲۰۰۹ء) ، ج: ۱۰ ، ص:۲۶

[10] ۔ البقرۃ:۲۹

[11] ۔ ابنِ نجیم،الاشباہ والنظائر ،(بیروت،دار الکتب العلمیہ ۱۹۹۳ء) ،ص: ۶۶،جلال الدین السیوطی،الاشباہ والنظائر (قاہرہ مصر،المکتبۃالتوفیقیۃ۲۰۱۲)،ج: ۱،ص: ۱۲۵

[12] ۔ مسند البزار، مسند ابی الدرداء رضی اللہ عنہ(المدینۃ المنورۃ، مکتبة العلوم والحكم۲۰۰۹ء) ،ج:۱۰اص:26

[13] ۔ الکاسانی، علاءالدین،بدائع الصنائع،(بیروت،دارالکتب العلمیۃ۱۹۸۶ء) ،ج:۱،ص: ۸۵

[14] ۔ ابن نجیم،الاشباہ و النظائر ،ص: ۵۶،السیوطی،الاشباہوالنظائر،ص: ۱۰۹

[15] ۔ نیسابوری، مسلم بن الحجاج،صحيح المسلم، (داراحیاءالتراث العربي بیروت) ،ح: ۹۸

[16] ۔ ابن نجیم،الاشباہ و النظائر ،ص:۵۸

[17] ۔ رد المحتار،کتاب الاشربة :لیس الاحتیاط فی الافتراء علی اللہ تعالیٰ باثبات الحرمة او الکراهة الذین لهما من دلیل بل فی القول بالاباحة التی هی الاصل وقد توقف النبی ﷺ مع انه هو المشرع فی تحریم الخمر ام الخبائث حتی نزل النص القطعی۔

18 ۔ السیوطی،الاشباہ والنظائر،ج:۱،ص: ۱۰۹

19 ۔ السیوطی،الاشباہ والنظائر،ج:۱،ص:۱۱۶،ابن نجیم،الاشباہ والنظائر،ص: ۵۹

20 ۔ ابن نجیم،الاشباہ و النظائر،ص:۵۹

21 ۔ ایضاً،ص: ۷۳

22 ۔ السیوطی،الاشباہ و النظائر،ج:۱،ص:۲۰۰۔ابن نجیم،الاشباہ و النظائر،ص: ۱۰۹

23 ۔ الصنعاني،أبو بكر عبد الرزاق ، المصنف عبد الرزاق(الهند،المجلس العلمي ۱۴۰۳ھ) ، ح :۱۲۷۷۲،أحمد بن الحسين البيهقي، سنن البيهقي، باب الزنا لا يحرم الحلال (مكة المكرمة ،مكتبة دار الباز ، ۱۹۹۴ ء)،ح : ۱۳۷۴۷، ج :۷،ص: ۱۶۹۔

بعض محدثین کے ہاں یہ حدیث مرفوعا منقول ہے: کماذکرہ الزیلعی شارح الکنز فی کتاب الصید مرفوعااور بعض محدثین کے نزدیک یہ حدیث ابن مسعودؓ سے موقوفا منقول ہے: کمااخرجہ عبدالرزاق موقوفا علی ابن مسعود، اگرچہ اس روایت سے متعلق بعض محدثین کاخیال یہ ہے کہ یہ روایت بے اصل ہے، اس کے باوجود اس حدیث سے ماخوذ قاعدے کو کئی موید قرائن کی بناپر جس کی تفصیل متعلقہ مقام پر دیکھی جاسکتی ہے، فقہاء نے اس قاعدے کو قواعد فقہیہ کی ضمن میں بیان کیاہے اور اس قاعدے کی رو سے کئی نظائر بھی بیان کئے ہیں۔مزید برآں یہ کہ علامہ سیوطی نے تقی الدین السبکی کے حوالے سے لکھاہے کہ یہ قاعدہ اپنے اصل مفہوم کے اعتبار سے درست ہے جس کا تقاضہ ہے کہ جب دو دلائل باہم متصادم ہوں کہ ایک اباحت اور دوسری تحریم کا تقاضہ کرتی ہو تو ایسے موقعے پر تحریم والے پہلو کو ترجیح دی جائے گی اور احتیاط کا بھی یہی تقاضہ ہے۔(السیوطی،الاشباہ و النظائر،ج: 1،ص:۲۰۲ - ۲۰۰۔ابن نجیم،الاشباہ و النظائر،ص: ۱۰۹-۱۱۰)

24 ۔ السیوطی،الاشباہ والنظائر،ج:۱،ص: ۲۰۲ - ۲۰۰۔ابن نجیم،الاشباہ و النظائر،ص: ۱۰۹-۱۱۰

25 ۔ السیوطی،الاشباہ و النظائر،ج:۱،ص:۸۵۔ابن نجیم،الاشباہ والنظائر،ص: ۱۶۵

26 ۔ سنن ابن ماجه(دار إحياء الكتب العربية، فيصل عيسى البابي)، ح:۲۳۴۰-۲۳۴۱ ،أبو بكر أحمد البيهقي،سنن البيهقي، باب لا ضرر ولا ضرار(مركز هجر للبحوث والدراسات العربية والإسلامية۲۰۱۱) ،ح: ۱۱۴۹۵،ج: ۱۱ص: ۵۴۲

27 السیوطی،الاشباہ و النظائر،ج:۱،ص: ۱۷۱۔ابن نجیم،الاشباہ والنظائر،ص: ۹۰

28 ۔ النساء: ۲۹

29 ۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا،جدید فقہی مباحث(کراچی،ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ۲۰۰۹ء) ،ج: ۱۸،ص: ۵۰-۴۸

30 ۔ ایضاً،ص: ۳۸-۳۷

31 ایضاً،ص:۵۱

32 ۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا،جدید فقہی مباحث،ص : ۳۶

33 ۔ قاسمی، مجاہد الاسلام،اسلامی فقہ اکیڈمی مکہ مکرمہ کے فقہی فیصلے (ایفا پبلی کیشنز، نئی دہلی سن ندارد) ص: ۴۱۰

34 ۔ ایضاً،ص: ۴۵۵۔۴۵۴

https://pnac.org.pk/halal-certification-bodies/[35]

[36]http://www.pakistanhalalauthority.org.pk/AboutUs.aspx

[37]The Gazette of Pakistan Extra, March 1 2016 10(a)

[38]۔ ایضا،دفعہ ۲۔ا۔ا۔۵ اوردفعہ ۵۔ا۔ا

[39]۔ القرضاوی،یوسف،فتاویٰ یوسف القرضاوی(اردو) (لاہورالبدر پبلیکیشنز،۲۰۱۲ء)،ج:ا،ص: ۳۴۲۔۳۳۶

[40]۔ آن لائن فتاویٰ، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

مغربی ذرائع ابلاغ کا کردار اور امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

The Role of Western Media and the Responsibilities of Muslim Ummah in the Contemporary World

ڈاکٹر ثمینہ سعدیہ[1]

Abstract

In recent years, the media have played a great role in the society. It has a high influence on the way people think and behave in a society. In western media there is a disproportionate amount of coverage connected to Islam and Muslims. Media tended to present Muslim and Islam in a negative light. The religion and its followers are often presented through a series of 'snap-shots' that serve only to highlight differences and portray Islam as a threat. Western media tends to capture the Muslim minds. It tries to spread doubts about Islamic beliefs by highlighting different aspects of life such as women's liberty in Islam, Islam is against modernism. So, how should the Muslim world respond to this? This research article is an attempt to awaken the Muslim Ummah to present the real picture of Islam by using new tools and sources of media.It is very important for the media of Islamic countries to be committed to enjoining the good and forbidding the evil. Given the limitations and principles set by Islam for freedom of expression, the propaganda campaign of the Western media should be given a reasoned and concise answer. Instead of programs based on obscenity, such programs should be conducted which are within the limits of the golden principles laid down by the Qur'an and the Holy Prophet (PUBH)for the improvement of society and to face and tackle the media related challenges of contemporary time.

Keywords: Media, Western Media, Influence on Society, Islamic teachings, Doubts about Islamic belief, Muslim Ummah.

[1]- اسسٹنٹ پروفیسر، شیخ زید اسلامک سینٹر پنجاب یونیورسٹی لاہور

عصرِ حاضر میں مغرب نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں محیر العقول اور ہوش ربا ترقی کی ہے۔ لیکن مغربی تہذیب کی یہ ترقی مذہبی اور اخلاقی اقدار کی نفی کرتی ہے۔ مغرب کی انٹرنیٹ اور سیٹلائیٹ کمیونی کیشن جیسی معجزاتی ٹیکنالوجی کے نتیجے میں ذرائع ابلاغ نے ایسی صورت اختیار کرلی ہے کہ اب یہ براہ راست اقوام کی اقتصادی، سماجی اور سیاسی زندگی پر اثرانداز ہو رہے ہیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کی ہمہ گیری، اثر انگیزی اور قوتِ تسخیر میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ عصرِ جدید میں ذرائع ابلاغ کا کردار کلیدی نوعیت کا ہے۔ یہ رائے عامہ کی تشکیل اور افکار و اذہان کو مخصوص تہذیبی سانچے میں ڈھالنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ذرائع ابلاغ کے معاشرے پر گہرے اور دوررس اثرات کی بنا پر ہی آج کے دور کو ذرائع ابلاغ کا دور کہا جاتا ہے۔ آج کل ذرائع ابلاغ کے لیے میڈیا کی اصطلاح معروف ہے۔

آج صورتحال یہ ہے کہ انسانی تاریخ کی دو طاقتور تہذیبیں یعنی اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب برسرِ پیکار ہیں۔ لیکن ان دونوں تہذیبوں کی یہ جنگ عسکری نوعیت کی نہیں بلکہ ایک نفسیاتی جنگ ہے جو میڈیا کے ذریعے لڑی جا رہی ہے۔ مغرب کا یہ حملہ ایک نئے رخ اور نئی جہت سے ہے جسے میڈیا وار کہا جا سکتا ہے۔ موئثر اور طاقتور میڈیا کے ذریعے مغرب نے ایک ہمہ گیر جنگ برپا کر رکھی ہے۔ روئے زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں جو اس کی یلغار اور دسترس سے محفوظ ہو۔ اس کے اثرات پوری دنیائے عالم کے ہر خطے اور ہر چپے پر یکساں محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

مغربی میڈیا کے ان ہمہ گیر اثرات کے حوالے سے ڈاکٹر اوم گپتا لکھتے ہیں:

> نظریہ تہذیبی سامراجیت یہ ہے کہ مغربی اقوام پوری دنیا کے میڈیا پر غلبہ حاصل کر کے دنیا کی دیگر تہذیبوں پر اثرانداز ہوتی ہیں جس کے نتیجے میں ان کی مقامی ثقافت تباہ ہو رہی ہے۔ مغرب زدہ میڈیا کا بیشتر حصہ فلمیں، خبریں اور دیگر مزاحیہ پروگرام مہیا کرتا ہے کیونکہ ایسا کرنے کے لیے اس کے پاس رقم ہے۔ باقی دنیا ان پروڈکشنز کو خرید لیتی ہے کیونکہ ایسا کرنا ان کے لیے بہ نسبت مہیا کرنے کے سستا پڑتا ہے۔ نتیجتاً تیسری دنیا کے ممالک ایسے میڈیا کو دیکھتے ہیں جو مغربی رہن سہن اور مغربی افکار و نظریات پر مشتمل ہوتا ہے۔ چنانچہ تیسری دنیا کی تہذیبیں مغربی رہن سہن کو اپنانا چاہتی ہیں جس کے نتیجے میں ان کی اپنی ثقافت تباہ ہو رہی ہے۔[1]

گزشتہ چند صدیوں سے دنیا کے بیشتر حصوں اور بالخصوص عالمِ اسلام پر یورپ کی حکمرانی رہی ہے۔ اس نے تعلیم، ذرائع ابلاغ اور دیگر تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے مغربی فکر کو ذہن میں اس طرح سے راسخ کر دیا ہے کہ مسلم

دنیا کا کوئی طبقہ اس کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ مغربی میڈیا کا رویہ اسلام اور عالمِ اسلام کے خلاف نہایت منفی، جانبدارانہ اور غیر ذمہ دارانہ ہے۔ اگر ہم مغربی ذرائع ابلاغ کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ درج ذیل اہداف و مقاصد کے تحت مغرب اسلام اور اہل اسلام کے خلاف عمل پیرا ہے۔

مغربی میڈیا کے اہداف و مقاصد

ا۔ ذہنی غلامی میں مبتلا کرنا

مغربی دنیا کی اسلام دشمن طاقتوں یہود و ہنود کے ساتھ ملکر مسلمانوں کے خلاف صف آراء ہو گیا ہے۔ مغرب کا یہ حملہ نہایت خطرناک اور تباہ کن ہے۔ اس حملے کے لیے اس نے جس ہتھیار کو استعمال کیا ہے۔ اس کی تاثیر ایٹم بم سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ یہ ہتھیار جدید ترین میڈیا ہے اور اس جنگ کو ہم میڈیا وار کہہ سکتے ہیں۔ مغربی میڈیا لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کے قلوب و اذہان کو مغربی سانچے میں ڈھالنے کے لیے سرگرم عمل ہے۔ بقول مولانا عیسی منصوری:

> "اب مغرب نئی تیاریوں اور نئے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر سامنے آیا ہے وہ جسم کے بجائے انسانی ذہنوں کو غلام بنانا چاہتا ہے۔ ذہنی غلامی جسمانی غلامی سے کہیں زیادہ بدتر اور خوفناک ہوتی ہے۔ اور اس دور میں ذہن و فکر کو غلام بنانے کا سب سے مؤثر ذریعہ میڈیا ہے۔ اس وقت سب سے اہم مسئلہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مغربی میڈیا کی یلغار ہے۔"[2]

مغرب نے مسلمانوں کو ایسی غلامانہ ذہنیت کا مالک بنا دیا ہے کہ خود ان کی اپنی نظر میں ان کی تہذیب، قومی روایات اور نظریہء زندگی بے وقعت ہو کر رہ گئے ہیں۔ میڈیا جیسے خطرناک اور مؤثر ہتھیار سے وہ کام لیا جو بڑی سے بڑی فوجی قوت کے استعمال سے بھی ممکن نہ تھا۔ یہ ایک ایسی سرد جنگ ہے جو اسلحہ کے بجائے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ لڑی جا رہی ہے۔ عالمی اطلاعات کے اس نظام میں نوے فی صد ذرائع ابلاغ پر ترقی یافتہ مغربی سامراجی ممالک کی اجارہ داری ہے اور یہ ایک روشن حقیقت ہے کہ تمام قسم کے ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا کنٹرول ہے جن کی اسلام اور انسانیت دشمنی سے تمام دنیا آگاہ ہے۔

مسلمانوں کی ذہنی غلامی کا تجزیہ مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب ''تنقیحات'' میں کیا ہے۔ ان کا یہ تجزیہ اس دور کا ہے جب ابھی موبائل فون اور انٹرنیٹ وجود میں نہیں آئے تھے۔ صرف اخبارات، رسائل و جرائد اور ٹی وی موجود تھے۔

"مسلمان پسپا ہو رہے ہیں ان کی تہذیب شکست کھا رہی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ مغربی تہذیب میں جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں ان کے دلوں اور دماغوں پر مغربیت مسلط ہو رہی ہے۔ ان کے ذہن مغربی سانچوں میں ڈھل رہے ہیں ان کی فکری و نظری قوتیں مغربی اصولوں کے مطابق تربیت پا رہی ہیں۔ ان کے اخلاق، ان کی معیشت، ان کی معاشرت، ان کی سیاست ہر چیز مغربی رنگ میں رنگی جا رہی ہے۔ ان کی نئی نسلیں اس تخیل کے ساتھ اٹھ رہی ہیں کہ زندگی کا حقیقی قانون وہی ہے جو مغرب سے ان کو مل رہا ہے۔ یہ شکست دراصل مسلمانوں کی شکست ہے۔ مگر بدقسمتی سے اس کو اسلام کی شکست سمجھا جاتا ہے۔"[3]

۲۔ بنیادی انسانی حقوق کا پروپیگنڈہ

مغربی میڈیا کا اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ایک اور موثر ہتھیار جس کا گزشتہ کئی دہائیوں سے وہ پروپیگنڈہ کر رہا ہے وہ بنیادی انسانی حقوق کا مسئلہ ہے۔ بالخصوص آزادی نسواں اور مساوات مرد وزن کا نعرہ وہ گاہے بگاہے بلند کرتا رہتا ہے۔ اپنے اس پروپیگنڈہ کی تشہیر کے لیے وہ صائمہ کیس، مختاراں مائی کیس اور ملالہ یوسف زئی کیس کا سہارا لیتا ہے۔ مغرب کے انسانی حقوق کے دعووں اور نعروں کے کھوکھلے پن کو آشکارا کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود احمد غازی لکھتے ہیں:

"اہل مغرب کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ اپنے ہر کام کے لیے اچھے عنوانات تراشتے ہیں۔ ان اچھے عنوانات کے مندرجات جتنے بھی مکروہ اور ناقابلِ قبول ہوں ان کا عنوان ہمیشہ قابلِ قبول اور جاذبِ نظر ہوتا ہے۔ چنانچہ مغربی ممالک میں موجود معاشرتی افراتفری، خاندان کے ادارے کی شکست و ریخت، عام بے حیائی، مرد وزن کے درمیان تعلقات میں فسادات ان تمام خرابیوں کا نام وہاں مساواتِ مرد وزن ہے۔"[4]

"مغرب مساواتِ مرد وزن کا نعرہ بلند کرتے ہوئے عورت کو اس کے اصل مقام اور حیثیت سے گرا دیتا ہے۔ جب کہ قرآن کریم نے عبدیت اور عبادات میں بلا تفریق اگر مردوں کو مسلمین، مؤمنین، قانتین، صادقین، صابرین، خاشعین، متصدقین، صائمین، حافظین اور ذاکرین کے خطابات دیئے تو اس کے ساتھ عورتوں کو بھی مسلمات، مؤمنات، قانتات، صادقات، صابرات، خاشعات، متصدقات، صائمات، حافظات اور ذاکرات

کے تمغوں سے نوازا اور بلا امتیاز اپنے دونوں طبقوں کو مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت دی۔"[5]

مغرب اپنے آپ کو انسانی حقوق کا علمبر دار سمجھتا ہے اور میڈیا کے ذریعے اس کا پرچار کرتا رہتا ہے۔ ملت اسلامیہ کے ذرائع ابلاغ کی یہ ذمہ داری ہے وہ دنیا کو مغرب کے جھوٹے دعوؤں اور کھوکھلے نعروں سے آگاہ کرتے ہوئے ایسے پروگرام تیار کریں جن سے یہ حقیقت ہر ایک پر واضح ہو جائے کہ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق حقوق دیے۔ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام حتیٰ کہ غیر مسلم ذمیوں کو بھی حقوق عطا کیے ہیں۔ اسلام نے صرف انسانوں ہی کے حقوق کا تعین نہیں کیا بلکہ قرآن اور تعلیماتِ نبوی ﷺ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے جانوروں کے ساتھ بھی نرمی و سلوک کا حکم دیا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع بنیادی انسانی حقوق کا منشورِ اعظم ہے۔

۳۔ بنیاد پرستی اور دہشت گردی جیسی اصطلاحات کا استعمال

مغربی ذرائع ابلاغ کا ایک بہت بڑا ہدف مسلمانوں کو بنیاد پرست اور دہشت گرد جیسی اصطلاحات سے موسوم کرنا ہے۔ مغربی میڈیا پوری قوت سے ان اصطلاحات کو مسلمانوں کے خلاف ایک موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ نہ صرف الیکٹرانک میڈیا بلکہ پرنٹ میڈیا کے ذریعے مسلمانوں کی جو تصویر کشی کی جاتی ہے وہ کچھ اس طرح ہے کہ مسلمان انتہائی وحشی اور جنونی قوم ہیں۔ یہ تمدن سے اس طرح عاری ہیں جس طرح ریڈ انڈین امریکی تمدن سے عاری ہیں۔

بنیاد پرستی کو مسئلہ بنا کر مسلمانوں کو دہشت گرد، دقیانوس خیالات کی حامل اور خونخوار قوم کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ترکی کی رکن پارلیمنٹ خاتون جس نے نقاب پہن کر اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کی اور معتوب ٹھہری اسے متعصب اور قدامت پرست قرار دیا۔ کشمیری مجاہدین جو اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں انہیں مسلح چھاپہ مار، درانداز اور مذہبی انتہا پسند کہہ کر دنیا کی نظروں میں ان کے متعلق بدگمانی اور نفرت پیدا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ بنیاد پرستی کو مسلمانوں کے ساتھ منسلک کرنے کے سلسلہ میں مغربی میڈیا کے کردار کے بارے میں Myra Macdonald لکھتی ہیں:

> "مغربی ذرائع ابلاغ کی 'بنیاد پرستی' کی اصطلاح کو اسلام کے ساتھ وابستہ کرنے کی ستم ظریفی ختم نہیں ہوئی۔ بنیاد پرستی ایک ایسی اصطلاح تھی جو انیسویں صدی کے نصف آخر میں امریکن پروٹسٹنٹ نے فخریہ طور پر متعارف کروائی جو اپنے چرچ میں آزاد خیال رجحانات کی بدعنوانی سے خود کو علیحدہ کرنے کے خواہاں تھے۔"[6]

مغربی میڈیا کے اس حملے کا جواب دینے کے لیے اسلامی ممالک کے ذرائع ابلاغ کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیا کے سامنے قرآن وسیرت رسول ﷺ کی روشنی میں اسلام کی صحیح تصویر پیش کریں۔ سیرتِ رسول ﷺ کے کسی واقعہ سے معلوم نہیں ہوتا کہ کسی شخص کو ڈرا دھمکا کر مسلمان کیا گیا ہو۔ بلکہ قرآن کا اصول "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ"[7] ہر دور کی مسلم حکومتوں کے پیش نظر رہا۔ نبی اکرم ﷺ کی کئی ایک احادیث جہاد کے دوران عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل کی ممانعت پر مشتمل ہیں۔[8] آپ ﷺ نے مسلمانوں کو کافروں کا مثلہ کرنے سے منع کیا[9] جبکہ اس وقت عرب میں دشمنوں کا مثلہ کرنے کا رواج عام تھا۔ فتح مکہ کے روز جب حضرت سعد بن عبادہؓ کے منہ سے جب یہ الفاظ نکلے: اليوم يوم الملحمة (آج کا دن لڑائی کا دن ہے)۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اليوم يوم المرحمة آج کا دن رحم اور معافی کا دن ہے۔[10] آپ ﷺ نے صرف ایک حرف بدل کر معنی کچھ سے کچھ کر دیے۔

الغرض امت مسلمہ کے دانشوروں اور اربابِ فکر و نظر کو ایسے اسلامی چینلز شروع کرنے چاہییں جو دینِ اسلام کے ایسے ہی روشن پہلوؤں کو اقوامِ عالم کے سامنے پیش کریں اور مغرب کے دہشت گردی، شدت پسندی جیسے الزامات کا نہ صرف منہ توڑ جواب دیں بلکہ خود امریکہ، اسرائیل اور یورپین ممالک کی کمزور حکومتوں بالخصوص مسلمانوں کے خلاف جارحیت، شدت پسندی اور ظلم و تعدی کو بے نقاب کر کے ان نام نہاد مہذب اقوام کے گھناونے اور دوغلے کردار سے اقوامِ عالم کو آگاہ کریں۔

۴۔ اسلام جدت پسندی کا مخالف ہے

مغربی میڈیا کا ایک اور بہت بڑا پروپیگنڈہ جو اس نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شروع کیا ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسلام ایک دقیانوسی مذہب ہے جو جدید زمانے کے تقاضوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ لہٰذا اسلام ترقی اور جدت پسندی کا مخالف ہے۔ مفتی تقی عثمانی نے ان کے اس پروپیگنڈہ کا رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "اسلام دین فطرت کسی جدت پسندی پر بحیثیت جدت کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔ جدت پسندی یہی ہے کہ انسان چاند تاروں پر کمندیں ڈال رہا ہے۔ یہ ساری مادی ترقیاں اسی جذبے کی مرہونِ منت ہیں، لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ جدت پسندی نے جس طرح انسان کو بامِ عروج تک پہنچایا۔ اسی طرح انسان کو بہت سارے تباہ کن نقصانات سے بھی دوچار کیا ہے۔ اسی جدت پسندی نے آج پوری دنیا کو عریانی و فحاشی کے سیلاب بیکراں میں دھکیل رکھا ہے۔ اسی جدت

پسندی نے برطانیہ کے دارالعوام سے تالیوں کی گونج میں ''ہم جنس پرستی'' کا قانونی جواز حاصل کیا۔''[11]

اسلام جو ایک فطری دین ہے جدت پسندی کو مستحسن قرار دیتا ہے اور اس کی ہمت افزائی کرتا ہے۔ خاص طور سے صنعت و حرفت اور فنونِ جنگ وغیرہ کے بارے میں نئے نئے طریقوں کا استعمال آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی اور غزوہ الطائف کے موقع پر منجنیق اور دبابوں کا استعمال کیا۔

آپ ﷺ نے دو صحابیوں حضرت عروہ بن مسعود اور حضرت غیلان بن سلمہ کو باقاعدہ شام کے شہر جرش بھیجا تاکہ وہاں سے دبابے، منجنیق اور ضبور کی صنعت سیکھ کر آئیں۔[12] اسی طرح آپ ﷺ نے دعوتِ دین کے لیے بھی ابلاغ کے نئے نئے طریقوں کا آغاز کیا۔ مثلاً جب اللہ تعالی کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دیں تو آپ ﷺ نے صفا کی چوٹی پر سے قریشِ مکہ کو مخاطب کیا۔[13] صفا کی چوٹی کا انتخاب آپ ﷺ نے اس نقطہ نظر سے کیا کہ صفا سے بلند ہونے والی آواز پس منظر کے بلند و بالا پہاڑی سلسلہ سے ٹکرائے اور اس کی صدائے بازگشت سامنے کی وادی میں دور تک پھیل جائے۔

اسی طرح مسجد میں محراب و منبر کو خطابِ عام کا ذریعہ بنایا۔[14] یوم عرفہ پر میدان عرفات میں چونکہ نہ تو پہاڑ تھے جو صدائے بازگشت کو دور تک پھیلاتے اور نہ ہی اتنے بڑے میدان میں منبر و محراب کام آسکتے تھے لہٰذا وہاں نبی اکرم ﷺ نے اونٹنی کی پیٹھ پر سوار ہو کر خطاب کیا۔ اور بلند آواز والے افراد کو اجتماع میں دور دور تک پھیلا کر اس طرح کھڑا کیا کہ جو کچھ حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے وہ مکبر اونچی آواز میں دہراتے جاتے تھے۔[15] اس طرح اجتماع میں موجود ہر شخص تک نبی اکرم ﷺ کا پیغام پہنچا۔ الغرض یہ وہ ذرائع تھے جو حضور ﷺ نے اپنے پیغام کی ترسیل کے لیے استعمال فرمائے۔

۵۔ اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنا

مغربی میڈیا کا ایک اور بہت بڑا ہدف یہ ہے کہ اسلام کے ان احکامات کے بارے میں جو جدید ذہن کو قابل قبول نہیں ہیں شکوک و شبہات پیدا کیے جائیں۔ خاص طور پر ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ایسے دانشوروں کے پروگرام نشر کرتے ہیں جو قرآن وحدیث کو تجدد کا جامہ پہنا کر اسے مغربی افکار و نظریات کے تابع ثابت کر کے دکھائیں۔ کویت کے مجلہ المجتمع نے ان موضوعات کا انکشاف کیا ہے جو انٹرنیٹ کے ذریعے اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لیے انٹرنیٹ پر

موجود ہیں۔ مثلا کیا قرآن معجزہ ہے؟ اسلام کا ظاہر دنیا کے سامنے، اسلام متعصب کیوں ہے؟ اسلام مرتد ہونے والے کو سخت سزا کیوں دیتا ہے۔[16] اسلام کے خلاف مغربی میڈیا کے ان حملوں کا توڑ کرنا ناگزیر ہے۔

٦۔ مغربی ذرائع ابلاغ کا دوغلا پن

مغربی ذرائع ابلاغ کا کردار اور رویہ ہمیشہ سے مسلمانوں اور اسلام کے معاملے میں جانبدارانہ اور غیر ذمہ دارانہ رہا ہے۔ اسلام کے احیاء اور اسلامی تحریکوں کو بنیاد پرستی اور دہشت سے منسلک کرنے کا سارا عمل مغربی و یہودی میڈیا کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔ مظلوم فلسطینیوں اور کشمیریوں کو دہشت گرد، غاصب اور مجرم بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اور جارح اسرائیل اور امریکہ کو تہذیب کا علمبردار بنا کر پیش کرتے ہیں۔ مغربی میڈیا کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف دوغلے پن کا اندازہ ۱۴ دسمبر ۲۰۱۲ء کو امریکی ریاست کینیکٹی کٹ کے چھوٹے سے شہر نیوٹاون میں پیش آنے والے ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔ نیوٹاون کے ایک ایلیمنٹری سکول میں ایک ۲۰ سالہ نوجوان ایڈم لانزنے اپنی ماں کی رائفل سے ۲۰ بچوں اور اساتذہ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس نے صرف امریکہ ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا۔ برطانیہ کے مشہور دانشور جارج مون بیوٹ نے اپنے مضمون "In the US, Man child killing are tragedies, in Pakistan Mere Big splats" میں امریکہ اور مغربی اقوام کے دوغلے پن اور تضادات کا پردہ چاک کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "عالمی میڈیا کا بیشتر حصہ جس نے نیوٹاون کے بچوں کو بجا طور پر یاد رکھا ہے، لیکن اوبامانے جو قتل کیے ہیں ان کو نظر انداز کرتا ہے۔ یہ سرکاری بیان کو درست تسلیم کرتا ہے کہ جو مارے گئے وہ سب جنگ جو تھے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شمالی مغربی پاکستان کے بچے ہمارے بچوں کی طرح نہیں ہیں، ان کا کوئی نام نہیں ہے۔[17]"

ایک اور کالم نگار گلینگری نورلڈا اپنے مضمون New Town Kids us Yemnies and Pakistanis, What Explains the Disparate Reaction. میں لکھتا ہے:

> "اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہی لوگ جو نیوٹاؤن میں ہلاک ہونے والے بچوں پر صدمے اور افسوس کا اظہار کر رہے ہیں۔ وہ اسی تشدد سے یمنی اور پاکستانی بچوں کو ہلاک کیے جانے کی کھلی حمایت تو نہیں کرتے لیکن مسلسل نظر انداز کرتے ہیں۔"[18]

الغرض اس وقت دنیائے عالم میں میڈیا وار زور و شور سے جاری ہے۔ مغربی میڈیا اس وقت فحاشی و عریانی اور حیوانی صفات کا علمبردار بنا ہوا ہے۔ خیر و شر کے اس معرکے میں اسلامی ممالک کے ذرائع ابلاغ کو اپنا ذمہ دارانہ اور بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے۔

اسلامی تصور ابلاغ اور امت مسلمہ کی ذمہ داری

اسلامی اقدار کے تحفظ اور فروغ کے لیے جدید ترین ذرائع ابلاغ کا استعمال امتِ مسلمہ کی ذمہ داری بن چکی ہے۔ درحقیقت ذرائع ابلاغ ہماری قومی اور اجتماعی زندگی کا ایک لازمی جزو بن چکے ہیں۔اس جدید ترین ذریعہ ابلاغ کے متنوع اور متعدد فوائد ہیں۔انٹرنیٹ علم کے حصول اور معلومات کی فراہمی کے ضمن میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے گھر بیٹھ کر تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے۔آن لائن بینکنگ نے بنک کے اکاونٹ ہولڈرز کو رقوم جمع کروانے یا نکلوانے کے لیے بینک جانے کی تکلیف سے آزاد کر دیا ہے۔آن لائن کاروبار صارفین کو گھروں میں ان کی بنیادی ضروریات کی فراہمی کی سہولت فراہم کر رہا ہے۔ انٹرنیٹ سے بڑی بڑی کمپنیوں اور لاکھوں افراد کا روزگار وابستہ ہے۔متعدد ویب سائٹس صحت اور تندرستی سے متعلق مفت طبّی مشورے دیتی ہیں۔علاوہ ازیں تعلیمی اداروں سے رابطہ، کورسز کی تفصیلات اور داخلہ فارم بھی انٹرنیٹ کے ذریعے حل کروا کر بھیجے جاسکتے ہیں۔ دنیا کے تمام بڑے بڑے اخبار، میگزین اور رسائل و جرائد اپنی ویب سائٹس کے ذریعے حالاتِ حاضرہ اور دنیا میں رونما ہونے والے تازہ ترین واقعات سے آگاہ رکھتے ہیں۔ الغرض انٹرنیٹ کاروبار زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لیے عصر حاضر کی ایسی اہم اور ناگزیر ضرورت بن چکا ہے کہ اداروں اور معاشروں کی معاشی ترقی، بقا اور نظام اسی پر منحصر ہے۔اس ناگزیریت کو تسلیم کرتے ہوئے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ معاشروں کی بقا کا دارومدار محض اقتصادی و سائنسی مسابقت نہیں رہا بلکہ اعلی نصب العین اور اخلاقی اقدار و روایات نے ہی معاشروں کو اوجِ ثریا تک پہنچایا اور نصب العین سے عاری اور رذائل اخلاق سے متصف متمدن معاشرے زوال و انحطاط کا شکار ہو گئے۔آج تمام شعبہ ہائے حیات میں انٹرنیٹ کی ناگزیریت کے باوجود اس کے منفی استعمال نے معاشروں کو اخلاقی انحطاط کی اس دلدل میں دھکیل دیا ہے جہاں سے واپسی انسانیت کے لیے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ انٹرنیٹ پر موجود مخرب اخلاق مواد افراد انسانی کی اخلاقی بے راہ روی اور ذہنی و نفسیاتی انتشار کا باعث بن رہا ہے۔ نوجوان نسل زیادہ تر وقت انٹرنیٹ پر صرف کرتی ہے۔ اس طرح وہ اپنے ہم عمر افراد اور باقی معاشرہ سے کٹ جاتی ہے۔انٹرنیٹ کے نقصانات نے مغربی مفکرین اور دانشوروں کو بھی تشویش و پریشانی میں مبتلا کر دیا ہے۔ میڈیا کے ذریعے پھیلنے والے انہی نقصانات کے باعث بہت سے والدین کوشش کرتے ہیں کہ ان کے بچوں کو ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ان

پروگراموں سے بچائیں جن میں مخرب اخلاق مواد موجود ہوتا ہے۔لیکن بالعموم اس طرح کی پابندیاں ناکامی پر منتج ہوتی ہیں۔ اس وقت ہر فرد کی انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر حکومتوں کی بھی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ سیکولر میڈیا کے متبادل اسلامی اقدار واخلاق پر مبنی میڈیا تشکیل دیں اور موجودہ میڈیا کے غیر شرعی پروگراموں پر پابندیاں لگائیں۔ایک مسلم حکومت کو علماء، صحافیوں، دانشوروں، میڈیا اور صحیح نظام تعلیم وتربیت کے ذریعے ایک لمبے عرصے تک عوام کی ذہن سازی کرنی ہوگی پھر ہی اس کے کچھ تعمیری اور مثبت اثرات نکل سکتے ہیں۔ملت اسلامیہ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ مغربی میڈیا کا مقابلہ کرنے کے لیے جدید ترین ذرائع ابلاغ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انسانیت کی صحیح منزل کی جانب راہنمائی کرے۔ مغرب کی فحش اور بیہودہ ثقافت کے بالمقابل پاکیزہ اسلامی ثقافت کو رواج دیں۔تہذیب وثقافت کی اس جنگ میں انٹرنیٹ عصر حاضر کا سب سے اہم اور موثر ہتھیار ہے۔آج ضرورت اس امر کی ہے کہ اس ہتھیار کا رخ تخریب کاری سے موڑ کر تعمیر واصلاح کی جانب کیا جائے۔جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

> وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللهُ يَعْلَمُهُمْ[19] اور تیار رکھو ان کے (مقابلے کے) لیے اپنی استطاعت کی حد تک طاقت اور بندھے ہوئے گھوڑے (تاکہ) تم اس سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈراسکو اور کچھ دوسروں کو (بھی) جو ان کے علاوہ ہیں 'تم انہیں نہیں جانتے 'اللہ انہیں جانتا ہے"

آپ ﷺ نے فرمایا کہ قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔[20]

عہد نبوت میں تیر اندازی اسی طرح جنگی اہمیت کی حامل تھی جس طرح آج بندوق، توپ، راکٹ اور میزائل وغیرہ ہیں۔ذرائع ابلاغ کی اس جنگ میں مسلمانوں کو بھی مادی ذرائع ووسائل ریڈیو، ٹی وی اور انٹرنیٹ جیسے ہتھیاروں کے ذریعے اسلامی تہذیب وثقافت کی ترویج واشاعت میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب نے فروری ۱۹۴۹ء میں ڈھاکہ کی ایک کانفرنس میں پاکستانی علماء کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں فرمایا تھا:

> "ہم کو اپنی استطاعت وامکان کی آخری حد تک ان مادی ذرائع ووسائل کی فراہمی میں کمی اور سستی نہیں کرنی چاہیے جن سے ہم اپنے دشمنوں کے حوصلے پست کر سکیں اور ان پر اپنی دھاک بٹھا سکیں کیونکہ یہ چیز خود قرآن کریم کے صریح حکم "واعدوالهم ما استطعتم" کے ذیل میں شامل ہے۔"[21]

لفظ ابلاغ کا اسلامی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے انبیاء علیہم السلام کے حالات و واقعات کے تذکرہ میں ہر نبیؑ کا یہی منصب بیان کیا ہے کہ میں نے رب کے پیغام کا ابلاغ کر دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا:

> أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَالَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ۔[22] میں تو اپنے پروردگار کے پیغامات تمہیں پہنچا رہا ہوں اور تمہارا دیانت دار خیر خواہ ہوں

اور حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا:

> وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ۔[23] اور کہا اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تمہیں پہنچا دیے تھے اپنے رب کے پیغامات اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی۔

قرآن پاک نے حضرت محمد ﷺ کے فریضہ تبلیغ کے متعلق واضح الفاظ میں فرمایا:

> وَ مَا عَلَی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ[24] اور رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے سوائے صاف صاف پہنچا دینے کے۔

رسول اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کرامؓ سے بار بار تصدیق کروائی کہ الا هل بلغت اور آخر میں فرمایا: بلغوا عنی ولو آیة۔[25]

نبی اکرم ﷺ پر سلسلہ نبوت کو ختم کرنے کے بعد ان کے ہر امتی کو داعی دینِ حنیف کا کردار دے کر اسے فریضہ تبلیغ کی ادائیگی کا مکلف کر کے سلسلہ دعوت و تبلیغ کو جاری و ساری رکھا۔ اسلامی نقطہ نظر سے "ابلاغ" ایک مقدس لفظ ہے جو انبیاء علیہم السلام کے منصب سے متعلق ہے اور نیکی، پاکیزگی، تقدس، احترام اور خیر وفلاح کے تصورات سے معمور ہے یہ تصور مغربی تصورِ ابلاغ سے بالکل متضاد ہے۔ جب دعوتِ دین کا ابلاغ ہر مسلمان کی ذمہ داری اور فرض ہے تو مسلمانوں کے لیے جدید ذرائع ابلاغ کو اختیار کرنا بہت ضروری ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اپنی دعوت کی اشاعت اور اپنے پیغام کی ترسیل کے لیے اس دور کے تمام بہتر ذرائع ابلاغ کا بھرپور استعمال کیا۔ آپ ﷺ نے آغاز انفرادی ملاقاتوں کے ذریعے سے کیا۔[26] پھر کچھ رؤسائے قریش کی ضیافت کا اہتمام کرنا اور انہیں دعوتِ دین پیش کرنا۔[27] تجارتی قافلوں میں پہنچ کر ارکانِ قافلہ کے سامنے دین اسلام کی دعوت دینا،[28] صفا کی چوٹی پر چڑھ کر قریشِ مکہ کو خطاب کرنا،[29] خطبہ کے

لیے منبر کا بنانا،[30] بڑے مجمع یعنی میدان عرفات میں اونٹنی پر بیٹھ کر خطبہ دینا[31] اور جگہ جگہ مکبرین کا کھڑا کرنا آپ ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے وہ مکبرین اونچی آواز سے دہراتے جاتے۔ دیگر ممالک کے سربراہان تک دعوتِ دین پہنچانے کے لیے خطوط روانہ کیے۔ گویا تحریر کو بھی ابلاغ کا ذریعہ بنایا۔

نبی اکرم ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے حالات وواقعات سے بھی آگاہی حاصل کرتے تھے تاکہ بیماروں کی مزاج پرسی اور مظلوموں کی دادرسی کر سکیں۔ حضرت حسنؓ ھند بن ابی ہالہ سے ایک طویل حدیث میں آنحضرت ﷺ کے عادات وشمائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "راوی کہتے ہیں کہ پھر میں نے سوال کیا کہ جب حضور ﷺ مکان سے باہر تشریف لاتے تھے تو کیا طرزِ عمل ہوتا تھا؟ حضرت ہند بن ابی ہالہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کی یہ عادت تھی کہ مفید اور ضروری کلام کے سوا ہر کلام سے اپنی زبان روکتے تھے۔ اور آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ الفت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے۔ ہر قوم کے بڑے آدمی کی تعظیم فرماتے تھے۔ اور اپنی طرف سے بھی اس کو قوم کا متولی اور امیر بنا دیتے تھے۔ لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈراتے تھے۔ اور لوگوں کے میل جول سے بچتے تھے اور اپنے صحابہؓ کی خبر گیری فرماتے تھے۔ اور لوگوں سے ان واقعات کو دریافت کرتے تھے۔ جو لوگوں میں پیش آتے تھے اور ان میں سے اچھی باتوں کی بھلائی اور بری باتوں کی برائی اور ضعف بیان کرتے تھے۔"[32] ایک اور روایت میں ہے:

> "حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب اپنے کسی بھائی کو دیکھتے کہ تین روز سے ملے نہیں تو لوگوں سے پوچھتے تھے کہ وہ کہاں ہیں۔ پھر اگر وہ سفر پہ گئے ہوتے تو ان کے لیے دعا فرماتے اور اگر حاضر ہوتے تو ان کی ملاقات کو تشریف لے جاتے اور مریض ہوتے تو مزاج پرسی کرتے تھے۔"[33]

یہ دونوں حدیثیں اسوہ نبوت ہیں۔ خبروں کی تفتیش اور صحابہؓ کے واقعات وحالات پر اطلاع کے پورے اہتمام کا اعلان کر رہی ہیں۔ آج کل امت مسلمہ کے حالات پر اطلاع کے ذرائع اخبارات اور ٹیلی ویژن وغیرہ ہیں۔ مولانا مفتی محمد شفیع درج بالا احادیث کے ضمن میں ارشاد فرماتے ہیں: "حضور سرورِ کائنات ﷺ اور صحابہؓ اپنی اسلامی برادری کے اخبار واحوال پر مطلع ہونے اور کرنے کا اہتمام اس لیے فرماتے تھے کہ مطلع ہو کر مظلوم کی دادرسی، بیمار کی عیادت، ضعفاء کی اعانت، محتاجوں کی امداد کرنے کے لیے ہر قسم کے مادی اور روحانی ذرائع استعمال کیے جائیں۔ اور اگر کسی مادی امداد پر قدرت نہ ہو تو کم از کم دعا سے اس کے شریک ہو جائیں۔ اور یہی تمام اسلامی تعلیمات کی روح اور مسلمانوں کی ترقیات ماضیہ کا اصل راز ہے۔"[34]

مغربی میڈیا کی پروپیگنڈہ مہم اور امت مسلمہ کے فرائض و ذمہ داریاں

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ اسلام میں ابلاغ اور ذرائع ابلاغ کو امتِ مسلمہ کے حالات و واقعات سے آگاہی اور اشاعتِ اسلام کے ضمن میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ لہذا امت مسلمہ کے ہر فرد کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ ذرائع ابلاغ کے جدید ہتھیاروں کے بھرپور اور مثبت استعمال کے ذریعے معاشرے کی جرائم اور فحاشی سے تطہیر کا فریضہ انجام دے۔ اس ضمن میں درج ذیل اصولوں کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ ذہنی و جسمانی صلاحیتوں کا مثبت استعمال

اس کائناتِ ارضی پر انسان اللہ تعالی کی وہ شاہکار مخلوق ہے جس کا کوئی ثانی نہیں۔ اللہ تعالی نے انسان کو احسن تقویم پر پیدا فرمایا۔ اور اسے ایسی صلاحیتوں سے نوازا جن کو استعمال کر کے وہ کائنات اور اس میں موجود چیزوں سے استفادہ کر سکے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالأَبْصَارَ وَالأَفْئِدَةَ[35] اور اس نے بنائے تمہارے لیے کان آنکھیں اور دل۔

کان اور آنکھوں سے مراد ذرائع علم ہیں۔ انسانی حواسہ خمسہ میں سے سماعت اور بینائی دوسرے تمام حواس سے زیادہ اہم ہیں۔ انسان کی تمام صلاحیتوں کا دارومدار انہی دو حواس پر ہے۔ دل سے مراد وہ ذہن ہے جو حواس کے ذریعے سے حاصل شدہ معلومات کو مرتب کر کے ان سے نتائج نکالتا ہے۔ انسان میں غور و فکر کی تمام صلاحیتوں کا سرچشمہ یہی ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان اپنی ان صلاحیتوں کی اس نہج پر پرورش کرے کہ وہ ذہنی بے راہ روی کا شکار نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالی نے انسان کی ان تمام صلاحیتوں کا حساب کتاب لینا ہے۔

عصر حاضر کا انسان اپنی سمعی اور بصری صلاحیتوں کو لایعنی اور لہو و لعب کے کاموں میں صرف کر رہا ہے۔ میڈیا کی تمام اقسام خواہ وہ پرنٹ میڈیا ہو یا الیکٹرانک میڈیا اور اسی طرح سوشل میڈیا کا ایک بڑا حصہ لہو و لعب اور لایعنی قسم کی معلومات پر مشتمل ہوتا ہے۔ ریڈیو کا تعلق انسان کی سماعی قوت سے ہے۔ اخبارات اور رسائل و جرائد میں انسان اپنی قوت بصارت کو استعمال کرتا ہے اور ٹی وی انٹرنیٹ میں انسان کی قوت سماعت اور بصارت دونوں ہی استعمال ہو رہی ہوتی ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی قوت سماعت و بصارت کو لہو و لعب اور عیش و عشرت میں صرف کرنے کی بجائے اللہ کی اطاعت کے کاموں میں صرف کریں۔ کیونکہ اللہ تعالی نے ان عطیات کے بارے میں باز پرس کرنی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَ الۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا[36] یقیناً سماعت بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔

ٹی وی اور انٹرنیٹ وغیرہ کے پروگراموں سے انسان میں نہ صرف دینی امور سے غفلت پیدا ہوتی ہے بلکہ یہ امورِ دنیا سے بھی غافل کر دیتے ہیں۔ سورۃ لقمان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَہۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِغَیۡرِعِلۡمٍ وَّیَتَّخِذَھا ھُزُوًا اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ[37] اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو کھیل تماشے کی چیزیں خریدتے ہیں تاکہ گمراہ کریں (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے بغیر علم کے 'اور اس کو ہنسی بنالیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے اہانت آمیز عذاب ہے۔

اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں کہ مکہ میں ایک دولت مند مشرک تاجر نضر بن حارث تھا اس نے کچھ باندیاں خرید رکھی تھیں اور جب کسی شخص کے بارے میں اسے علم ہوتا کہ وہ قرآن کریم میں دلچسپی لے رہا ہے یا اسلام قبول کرنا چاہتا ہے تو اس کے پاس جاتا اور اسے اپنی باندیوں کے پاس لے آتا اور باندیوں کو ہدایت کرتا کہ اس شخص کو خوب کھلاؤ پلاؤ اور اچھے اچھے گانے سناؤ، اس کے بعد اس شخص سے کہتا بتاؤ یہ شراب و کباب اور رقص و سرود بہتر ہیں یا وہ کام جن کی محمد ﷺ دعوت دیتا ہے یعنی جہاد، نماز، روزہ وغیرہ۔[38] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لہوالحدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

ھو واللہ الغناء[39] اللہ کی قسم اس سے مراد غناء ہے۔

موسیقی اور رقص و سرود میں مشغول کر کے لوگوں کو امور دین سے غافل کر دینا نضر بن حارث کی طرح ہمیشہ دولتمندوں اور سرکش حکمرانوں کا وطیرہ رہا ہے۔ آج بھی بڑی طاقتیں یورپ اور امریکہ اقوام عالم کو اسی طرح سینما، ٹی وی اور انٹرنیٹ وغیرہ میں مشغول کر کے انہیں مقصدِ اعلیٰ سے دور کر رہی ہیں۔ حافظ ابن قیمؒ حدیث "نہیت عن الصوتین الاحمقین" کی شرح میں لکھتے ہیں:

"عوام وخواص دونوں ہی جانتے ہیں کہ غناء و معازف کا فتنہ نوحہ کے فتنہ سے زیادہ خطرناک ہے۔ چنانچہ جس امر کا ہم نے اور دوسروں نے مشاہدہ کیا ہے اور جسے ہم تجربات کی بنیاد پر جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ جس قوم میں بھی معازف وآلات کا رواج پھیلا اور جس قوم نے بھی

ان چیزوں میں مشغولیت اختیار کی، اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اس کے دشمنوں کو مسلط کر دیا اور اسے جوع و قحط میں مبتلا کر دیا۔ اور بدترین لوگوں کو ان کا حاکم بنا دیا۔"[40]

موسیقی کی حرمت کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

لیکونن منامتّی اقوام یستمعون الحروالحریروالخمر والمعازیف۔[41] "عنقریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے۔"

حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اس امت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے، مسلمانوں میں سے ایک شخص نے پوچھا، یارسول اللہ ﷺ ایسا کب ہوگا؟ حضور ﷺ نے فرمایا جب گانے والی عورتوں اور باجوں کا عام رواج ہو جائے گا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی۔"[42]

ٹی وی، انٹرنیٹ اور موبائل وغیرہ کے ذریعے جو بے حیائی اور عریانی پھیلتی ہے اور بالخصوص موبائل کے ذریعے جو رابطے کی سہولت میسر آتی ہے اس کا لازمی نتیجہ حیا و عفت کا خاتمہ، لہو و لعب، لذت پرستی اور فسادِ اخلاق ہے۔ جس کا آخری نتیجہ غیر قانونی جنسی تعلقات نکلتا ہے۔ زنا کبیرہ گناہ ہے اسی لیے اسلام نے اس کی سزا کوڑے یا رجم رکھی ہے۔ گویا یہ جدید ٹیکنالوجی اور ذرائع ابلاغ مسلم معاشرے میں زنا جیسے کبیرہ گناہ اور شنیع فعل کو عام کر رہے ہیں۔

۲۔ وقت کا صحیح استعمال

ٹی وی اور کیبل جیسے مادیت پرستی، بے مقصدیت اور لہو و لعب کی طرف مائل کرنے والے ان آلات نے ہر طبقہ عمر کے افراد پر منفی اثرات مرتب کیے ہیں۔ ٹی وی پر زیادہ تر حیا سے عاری مغربی اور ہندی ثقافت کی عکاسی کرنے والے ڈرامے پیش کیے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں حیا و عفت جیسی اعلیٰ اخلاقی اقدار ختم ہوتی جا رہی ہیں۔ ڈراموں کے علاوہ ٹی وی چینلز پر چلنے والے فحش اشتہارات بھی نوجوان نسل میں ذہنی و فکری انتشار اور اخلاقی بے راہروی کا سبب بن رہے ہیں۔ گذشتہ دو دہائیوں سے پرائیویٹ چینلز کی کثرت اور اس پر مستزاد نیوز چینلز اور انٹرٹینمنٹ چینلز کی تقسیم نے تضیع اوقات کی طرف انسان کو کئی قدم آگے بڑھا دیا ہے۔ ٹی وی کے بعد فحاشی، بے حیائی اور تضیع اوقات کا ایک اور بڑا محرک

انٹرنیٹ کا کثرت سے لایعنی اور بے محابا استعمال ہے حالانکہ انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ صحت اور وقت ہیں۔ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

> نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس : الصحة والفراغ۔[43] "دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں اکثر لوگ اپنا نقصان کرتے ہیں: صحت اور فرصت"

آج کل اکثر لوگ بالخصوص نوجوان نسل رات گئے تک ٹی وی اور انٹرنیٹ کا استعمال کرتے ہیں۔ ساری رات جاگتے رہنے کے باعث دن کا اکثر وبیشتر حصہ سوتے ہوئے گزارتے ہیں حالانکہ اسلام رات کو جلد سونے اور صبح جلدی اٹھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ صبح سویرے کیے جانے والے کام میں برکت کے لیے رسول اللہ ﷺ نے دعا کی ہے: اللھم بارک لی لامّتی فی بکورھا۔[44] "اے اللہ میری امت کے صبح کے کاموں میں برکت فرما" نبی اکرم ﷺ نے رات کو عشاء کے بعد غیر ضروری گفتگو سے منع فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

> "رسول اللہ ﷺ عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد بات چیت کرنا ناپسند فرماتے تھے۔"[45]

۳۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر

دورِ جدید میں مغربی میڈیا الحاد ودہریت اور بے حیائی کے فروغ میں اپنی تمام اخلاقی حدود پار کر چکا ہے۔اسلامی ممالک کے ذرائع ابلاغ کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ الحاد ودہریت کے برعکس دینِ اسلام کے اصولوں اور اس کی حقانیت کو اخبارات ورسائل، ٹی وی اور انٹرنیٹ کے ذریعے پوری دنیا میں پھیلائیں۔آج جب کہ پوری دنیا میں "ظھرالفساد فی البروالبحر" کی صورتحال پیدا ہوگئی ہے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ذمہ داری اسلامی ذرائع ابلاغ کا اولین فریضہ بن گیا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

> وَلْتَكُنْ مِنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ[46] "اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی دعوت دے، نیکی کا حکم دے اور برائی سے روکے اور یہی لوگ کامیاب ہیں"

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے: من رأى منكم منكرًا فليغيره بيده فان لم يستطع فبلسانه فان لم يستطع فبقلبه وذلک أضعف الايمان۔[47] "جو بھی تم میں سے برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے اگر اس کی

استطاعت نہ ہو تو اپنی زبان سے روکے اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

۴۔ خبر کی تصدیق

ہمارے ہاں نہ صرف اخبارات بلکہ ٹی وی چینلز کا بھی یہ وطیرہ بن چکا ہے کہ زیادہ سے زیادہ خبروں کے شوق میں بلا تحقیق و تفتیش خبریں نشر کر دیتے ہیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ میں رائٹر اور AFP کی طرز پر عالمی نیوز ایجنسیاں مسلم دنیا کے خلاف خبریں شائع کرتی رہتی ہیں۔ اسلامی ممالک کے پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا ان خبروں کو ہاتھوں ہاتھ لیتے اور بغیر تصدیق کے نشر کر دیتے ہیں۔ اسلام کا تصور ابلاغ بلا تحقیق بات آگے پہنچانے کی ممانعت کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓااِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍفَتَبَيَّنُوْٓا[48] "اے ایمان والو اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کی تصدیق کر لیا کرو"

اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ کی تعلیم یہ ہے: کفی بالمرء کذبا ان یحدّث بکل ما سمع[49] "آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ ہر سنی ہوئی بات بیان کر دے"

اکثر میڈیا والے خبروں میں قرائن ظنیہ سے نتائج اخذ کر کے ان پر حکم قطعی لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے ایسے ظن کی ممانعت فرمائی ہے:

يٰٓاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوااجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ[50] "اے ایمان والو بہت زیادہ گمان سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں"

ارشاد نبوی ﷺ ہے: ایاکم والظن فان الظن اکذب الحدیث۔[51] "تم بدگمانی سے بچو کہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے"

۵۔ اظہارِ خیال میں شائستگی و وقار

ٹی وی چینلز کے اکثر ٹاک شوز میں ایک دوسرے کے خلاف تند و تیز اور نازیبا الفاظ کہے جاتے ہیں۔ اسلام کا تصور ابلاغ اظہارِ خیال میں شائستگی و نرمی اور اچھی بات کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ ایک دوسرے پر لعن طعن اور دشنام طرازی کی مذمت کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا[52]"اور تم لوگوں سے اچھی بات کہو"

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا [53] "پس تم دونوں (موسیٰؑ وہارونؑ) اس (یعنی فرعون) سے نرمی سے بات کہنا

ارشاد نبوی ﷺ ہے: ليس المؤمن بالطعان ولا للعان ولا الفاحش ولا البذی۔[54]"مؤمن طعن کرنے والا، لعنت کرنے والا، فحش گو اور بدزبان نہیں ہوتا۔"

۶۔مبالغہ آرائی سے اجتناب

ہمارے ذرائع ابلاغ کو دیانتداری اور بے خوفی سے واقعات کی صحیح تصویر کشی کرنی چاہیے۔ذاتی مفادات کے زیر اثر خبروں کو توڑ مروڑ کر پیش نہ کیا جائے۔اسلام صاف اور کھری بات کہنے اور مبالغہ آرائی سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا[55] "اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور تم سیدھی بات کہو"

ارشاد نبوی ﷺ ہے: هلك المتنطعون قالها ثلاثا۔[56]"مبالغہ آرائی کرنے والے ہلاک ہوگئے آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔"

۷۔فاسق کی مدح وتوصیف سے اجتناب

ٹی وی کے مضرات و نقصانات میں یہ بات ذکر ہوچکی ہے کہ اکثر ٹی وی چینلز پر فنکاروں اور اداکاراؤں کے انٹرویوز نشر کیے جاتے ہیں۔اور ان کی تعریف وتوصیف میں مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے۔بقول فہمی النجار:

> "ٹیلی ویژن کی نظر میں امت میں موجود اہلِ علم، انجینئر، ڈاکٹر اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کی کوئی اہمیت اور قدر وقیمت نہیں ہے، اس کے نزدیک تمام اہمیت فنکاروں کو حاصل ہے اور ٹی وی اداکاروں، رقاصاوں اور کھلاڑیوں کو فنکار سمجھا جاتا ہے اور شب وروز انہی کی اہمیت کو اجاگر کیا جاتا ہے۔صرف یہی نہیں کہ ان کے پروگرام نشر ہوتے ہیں بلکہ بڑے اہتمام کے ساتھ اور بڑے خوشنما اور پرکشش اسلوب میں ان کے انٹرویو بھی نشر کیے جاتے ہیں اور اس تمام مہم کا مقصود یہی ثابت کرنا ہوتا ہے کہ ٹی وی دیکھنے والی نسلِ نو کے راہنما اور مقتدا یہی فنکار ہیں۔"[57]

ہمارے میڈیا کا یہ رویہ سراسر روح اسلام کے منافی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فاسق کی مدح اور توصیف کی مذمت کی ہے۔ارشادِ نبوی ﷺ ہے: اذا مدح الفاسق غضب الرّب تعالیٰ[58] "جب بدکار کی کوئی تعریف کرتا ہے تو اللہ تعالی غصہ ہوتا ہے۔"

معجم ابو یعلی کی دوسری روایت یہ ہے: اذا مدح الفاسق غضب الرب واهتز العرش۔[59] "جب بدکار کی کوئی تعریف کرتا ہے تو اللہ تعالی غصہ ہوتا ہے اور عرش ہل جاتا ہے۔"

اذا لقيتم المدّاحين فاحثوا فى وجوههم التراب۔[60] "جب تم تعریف کرنے والوں سے ملو تو تم ان کے منہ مٹی سے بھر دو"

لایعنی گفتگو سے اجتناب

ٹی وی چینلز کے کئی پروگرام مزاحیہ گفتگو، ہنسی مذاق اور لایعنی گفتگو پر مشتمل ہوتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے تعلیم دی ہے کہ لایعنی گفتگو سے اجتناب کیا جائے۔من حسن اسلام المرء تركه مالا يعنيه۔[61] "آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو چھوڑ دے"

بعض اوقات انسان دوسروں کو ہنسانے اور دل لگی کے لیے مزاحیہ گفتگو کرتا ہے لیکن وہی گفتگو اس کے لیے آخرت میں وبال بن جاتی ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے: ويل للذى يحدث بالحديث ليضحك به فيكذب فويل له فويل له۔[62] "ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو ہنسانے کے لیے جھوٹی بات کرتا ہے پس وہ جھوٹ بولتا ہے پس اس کے لیے ہلاکت ہے پس اس کے لیے ہلاکت ہے"

۸۔ تمسخر واستہزاء سے اجتناب

پاکستان میں میڈیا کو آزادی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر ٹی وی چینلز ٹاک شوز اور دوسرے پروگراموں میں سرِ عام سیاستدانوں کی تضحیک کرتے ہیں۔ان کے مختلف کارٹونز بنا کر ان کا تمسخر واستہزاء کیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں ٹی وی چینلز ایک دوسرے کے خلاف بھی بھڑاس نکالتے رہتے ہیں۔ کسی بھی فرد کے دلخراش استہزاء و تمسخر کو خواہ وہ لطائف وافکار کے عنوان کے مہذب لباس میں ہی کیوں نہ پیش کیا جائے اسلام اس کی سختی سے ممانعت فرماتا ہے۔ارشاد باری تعالی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ[63] "اے ایمان والو کوئی مرد کسی مرد کا مذاق نہ اڑائے ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو اور نہ کوئی عورت کسی عورت کا مذاق اڑائے ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہو"

۹۔ عیب دری سے اجتناب

میڈیا پر اکثر جھوٹی افواہوں اور بلا تحقیق خبروں کی بنا پر ایک مسلمان بھائی کی عزت وآبرو کو پامال کیا جاتا ہے۔ اسلام تو گناہ گار مسلمانوں کے گناہ کی بھی پردہ پوشی کی تلقین کرتا ہے۔ تاکہ برائی مخفی رہے اور اس کی تشہیر نہ ہو سکے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: من ستر عورة فكانما أحيا مؤدة فی قبرها۔[64] "جس شخص نے کسی کا عیب چھپایا تو گویا اس نے قبر میں زندہ گاڑی ہوئی لڑکی کو بچایا"

البتہ اگر کسی مسلمان کا ایسا عیب یا گناہ حجت شرعیہ سے ثابت ہو جائے کہ جس کا نقصان اپنی ذات کو پہنچتا ہو اور اس سے یہ مظلوم ٹھہرتا ہو تو پھر اس کی برائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے۔ اس کے متعلق حق تعالی کا ارشاد ہے: لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ[65] "اللہ تعالی برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس پر ظلم کیا گیا۔"

۱۰۔ حق گوئی وشہادت حق

اسلام لوگوں کو تحریر و تقریر کی آزادی کا حق دیتا ہے لیکن اس سے مراد مادر پدر بے مہار آزادی نہیں ہے۔ بلکہ اسلام نے اس کے لیے ضابطہ اخلاق مقرر کیا ہے۔ حالات خواہ کیسے بھی کیوں نہ ہوں ہر حال میں حق بات کہنی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

بہترین جہاد جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔[66]

اسلام میں آزادی اظہار در حقیقت فریضہ شہادتِ حق کی اولین ضرورت ہے۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ [67] اے ایمان والو تم کھڑے ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے اللہ کے

لیے اور اگرچہ وہ تمہاری اپنی ذات کے یا والدین کے اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو"

مبلغ یا صحافی کی خبر یا اطلاع درحقیقت ایک شہادت ہے۔ شہادت کا چھپانا اس کا اظہار نہ کرنا یا اظہار سے روکنا اللہ کے نزدیک گناہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ[68] 'اور تم گواہی کو مت چھپاؤ اور جو کوئی اسے چھپائے گا بے شک اس کا دل گناہ گار ہے۔"

۱۰۔ بے حیائی و فحاشی کی اشاعت سے گریز

مغربی اور بھارتی میڈیا اور ان سے مرعوب اسلامی حکومتوں کے ذرائع ابلاغ نے فحاشی و عریانی کو سیلاب بلاخیز بنا دیا ہے۔ پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا دونوں ہی فحاشی و عریانی کے فروغ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف ہیں۔ قرآن کریم نے میڈیا والوں کو سخت تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ[69] "بے شک جو لوگ پسند کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان بے حیائی پھیلے تو ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔"

۱۱۔ مغربی میڈیا کی نقالی سے گریز

نہ صرف پاکستانی ذرائع ابلاغ بلکہ دیگر اسلامی ممالک کے ذرائع ابلاغ پر بھی مغربی میڈیا کی چھاپ نظر آتی ہے۔ یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے تہوار میڈیا پر ایسے دکھائے اور منائے جاتے ہیں گویا کہ یہ مسلمانوں کے بھی تہوار ہوں۔ ویلنٹائن ڈے، بسنت، اپریل فول اور ہیپی نیو ایئر کے پروگراموں کا جس نہایت جوش و خروش کے ساتھ اظہار کیا جاتا ہے یہ سراسر اسلامی تعلیمات کے منافی اور ناجائز ہے۔ مغرب نے میڈیا کے ذریعے مسلمانوں کو جس ذہنی غلامی میں مبتلا کر رکھا ہے اور جس طرح سے اپنی ثقافت اسلامی ممالک میں رائج کر رکھی ہے اسلامی ذرائع ابلاغ کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت مسلمہ کو اس فتنے سے آگاہ کریں جس کی تنبیہ اللہ رب العزت اور نبی رحمتﷺ نے مختلف پیرایوں میں کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پانچ وقت کی ہر نماز کی ہر رکعت میں ''غیرالمغضوب علیھم ولا الضالین'' کی شکل میں ان اقوام کے

طرزِ حیات سے پناہ مانگنے کی تلقین کی ہے اور یہود ونصاری کو دوست بنانے سے ان الفاظ کے ساتھ منع کیا ہے کہ :وَمَنۡ یَّتَوَلَّہُمۡ مِّنۡکُمۡ فَاِنَّہٗ مِنۡہُمۡ[70] "جو ان سے دوستی کرے گا تو وہ انہی میں سے ہے۔"

تعلیمات نبوی ﷺ میں بھی غیر قوموں کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے۔ارشادِ نبوی ﷺ ہے: من تشبه بقوم فهومنهم[71]"جو کوئی کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا تو وہ انہی میں سے ہے۔"

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا:"تم ضرور بالضرور اپنے سے پہلی امتوں کی پیروی کروگے۔ بالشت در بالشت اور ہاتھ در ہاتھ۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی ایک گوہ کے سوراخ میں داخل ہوگا تو تم بھی اسی کی راہ پر چلوگے۔ہم نے کہا: یارسول اللہ ﷺ !کیا یہود ونصاری کی راہ پر چلیں گے۔فرمایا: نہیں تو اور کس کی۔"[72]

نتائج بحث

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ :

ا۔اسلامی ممالک کے ذرائع ابلاغ کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے مصروفِ عمل رہنا بہت ضروری ہے۔

۲۔لہذا ضروری ہے کہ اسلام نے آزادی اظہار رائے کے لیے جو حد بندیاں اور اصول مقرر کیے ہیں ان کو پیش نظر رکھ کر مغربی ذرائع ابلاغ کی پروپیگنڈہ مہم کا مدلل اور مسکت جواب دیا جائے۔

۳۔مغربی تہذیب کی بجائے اسلامی اقدار روایات اور اسلامی ثقافت کو ترویج دی جائے۔

۴۔بے حیائی وفحش پر مبنی پروگراموں کی بجائے ایسے پروگراموں کا اانعقاد کیا جائے جو قرآن اور رسول اکرم ﷺ کے بتائے ہوئے زریں اصولوں کی حدود میں ہوں تاکہ دنیا اور آخرت میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں سرخرو ہوں۔

حوالہ جات

1 Om Gupta, Media Society and Culture, Isha Books Delhi, 2006, P:19

2 عیسیٰ منصوری، مولانا، مسلمانوں کے خلاف مغرب کی میڈیا وار، ماہنامہ البرھان، اگست ۲۰۱۲ء، ص۴۵

3 مودودی، ابوالاعلیٰ، تنقیحات، اسلامک پبلی کیشنز، ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۳۳، ۳۲

4 محمود احمد غازی، ڈاکٹر، مسلم معاشرے پر سیکولرازم کے اثرات، ماہنامہ البرہان، اگست ۲۰۱۲ء، ص۱۸

5 سمیع الحق، مولانا، اسلام اور عصرِ حاضر، دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، پشاور، اگست ۱۹۷۶ء، ص۹

6 Myra Macdonald, Exploring media discourse, Arnold Publishers, 2003, Page 157

7 البقرة، ۲:۲۵۶

8 قشیری، مسلم بن حجاج (م ۲۶۱ھ)، صحیح مسلم کتاب الجهاد والسير، باب تحريم قتل النساء والصبيان فی الحرب (دار احیاء التراث العربی بیروت، ب۔ت)، ح ۱۷۴۴، ابوداؤد، سلیمان بن اشعث (م ۲۷۵ھ)، السنن، کتاب الجهاد، باب فی قتل النساء، (المکتبة العصرية صيدا بيروت، ب۔ت)، ح ۲۶۶۹

9 السنن (ابوداؤد)، کتاب الجهاد، باب فی النهی عن المثلة، ح ۲۶۶۷

10 ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، (م ۷۷۴ھ)، البداية والنهاية، دارالفکر، ۱۹۸۶ء، ۴/۲۹۵

11 تقی عثمانی، مولانا، اسلام اور جدت پسندی، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۳۲ھ، ص ۱۰، ۹

12 البداية والنهاية، ج ۴، ص ۳۴۵

13 البداية والنهاية، ج ۳، ص ۳۸

14 ابو یعلی، احمد بن علی الموصلی (م ۳۰۷ھ)، مسند ابو يعلى، (دار المامون للتراث دمشق ۱۴۰۴ھ، ۱۹۸۴ء)، ح ۲۷۵۶، عن انس بن مالک

15 بخاری، محمد بن اسماعیل (م ۲۵۶ھ)، صحیح بخاری، کتاب العلم، باب قول النبی ﷺ رب مبلغ اوعی من سامع، (دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ)، ح ۶۷

16 میڈیا کی یلغار۔ایک بڑھتا ہوا چیلنج، ص ۲۱، ۲۲

17 خورشید احمد، پروفیسر، امریکہ میں دہشت گردی، ماہنامہ ترجمان القرآن، جنوری ۲۰۱۳، ص ۲۵

18 ایضاً، ص ۲۸

19 الانفال: ۸:۶۰

20 صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب فضل الرمی والحث علیه، ح ۱۹۱۷

21 تقی عثمانی، مولانا، اسلام اور جدت پسندی، مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۴۳۲ھ، ص ۳۰

22 الاعراف:۷:۶۷

23 الاعراف:۷:۹۳

24 العنکبوت:۲۹:۱۸

25 صحیح بخاری، کتاب المغازی،باب حجة الوداع،ح۴۴۰۶

26 ابن ہشام،عبدالملک بن ہشام(م۲۱۸ھ)،السیرة النبویة،۲۲۹/۱تا۲۳۶

27 البدایة والنہایة،ج۳/ص ۳۹

28 السیرة النبویة،ج۲،ص۵۱،۵۰

29 البدایة والنہایة،ج۳،ص۳۸

30 ابو یعلی،أحمد بن علی(م۳۰۷ھ)،مسند،ح ۲۷۵۶عن انس بن مالک

31 صحیح بخاری،کتاب العلم،باب قول النبیﷺ رب مبلغ اوعی من سامع،ح۶۷

32 الترمذی، محمد بن عیسی بن سورة(م۲۷۹ھ)،الشمائل المحمدیة،باب ما جاء فی تواضع رسول اللهﷺ،ح۳۱۹

33 ایضا،۳۱۹

34 صحافت اور اس کی شرعی حدود،ادارہ اسلامیات، کراچی لاہور،اگست ۲۰۰۳ء،ص ۳۱

35 السجدة:۳۲:۹

36 بنی اسرائیل:۱۷:۳۶

37 لقمان،۳۱:۶

38 الزمخشری، محمود بن عمر جاراللہ(م۵۳۸ھ)، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل،دارالکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۷

39 ابن کثیر،اسماعیل بن عمر،(م۷۷۴ھ)، تفسیرالقرآن العظیم، دار طیبة للنشر والتوزیع،۱۹۹۹ء،۶/۳۳؛ بیہقی،احمد بن الحسین(م۴۵۸ھ)،شعب الایمان،ح۴۴۰۷

40 ابن قیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر(م۷۵۱ھ)، مدارج السالکین،دار الکتاب العربی بیروت،۱۹۹۶ء،۱/۴۹۶

41 صحیح بخاری،کتاب الاشربة،باب ما جاء فیمن یستحل الخمر،ح ۵۵۹۰

42 الترمذی، محمد بن عیسی بن سورة(م۲۷۹ھ)،ابواب الفتن،باب ما جاءفی علامة الحلول المسخ والخسف، (شرکة مکتبة و مطبعة مصطفی البابی الحلبی مصر،۱۳۹۵ھ،۱۹۷۵ء)،ح ۲۲۱۰

43 صحیح بخاری،کتاب الرقاق،باب لا عیش الا عیش الآخرة،ح ۶۴۱۲

44 السنن ابی داؤد،کتاب الجہاد، باب الابتکار فی السفر ، ح ۲۶۰۶

45 جامع ترمذی،کتاب الصلوة،باب ما جآء فی کراہیة النوم قبل العشاء والسمر بعدها،ح۱۶۸

46 ال عمران،۳:۱۰۴

47 جامع ترمذی،ابواب الفتن،باب ما جاء فی تغییرالمنکر بالید او باللسان او بالقلب،۲۱۷۲

48 الحجرات: ۴۹:۶

49 صحیح مسلم،مقدمه،باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع،۱/۱۰

50 الحجرات:۴۹:۱۲

51 صحیح بخاری،کتاب الادب، باب ما ینهی عن التحاسد والتدابر،ح ۶۰۶۴،صحیح بخاری،کتاب الادب، باب یآایهاالذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن،ح ۶۰۶۶

52 البقرة،۲:۸۳

53 طٰهٰ ۲۰:۴۴

54 صحیح بخاری،کتاب الادب،باب ماینهی عن السباب واللعن،ح۶۰۴۴

55 الاحزاب،۳۳:۳۳

56 صحیح مسلم،کتاب العلم،باب هلک المتنطعون،۲۶۷

57 *فہمی النجار، قطب الدین،اسلام اور ذرائع، مترجم: ڈاکٹر ساجد الرحمن صدیقی،ادارہ معارفِ اسلامی لاہور، مئی ۱۹۹۷ء، ص ۸۸*

58 *ابویعلی احمد بن علی*(م۳۰۷ھ)،معجم، (ادارة العلوم الاثریة فیصل آباد،۱۴۰۷ھ) ، باب الراء،ح۱۷۲

59 *ایضاً*،۱۷۱

60 السنن ابی داؤد،کتاب الادب،باب فی الکراهیة التمادح،ح ۴۸۰۴

61 جامع ترمذی،کتاب الزهد، باب ما جاء فی تکلم بالکلمةلیضحک الناس، ۲۳۱۷

62 ایضا،۲۳۱۵

63 الحجرات،۴۹:۱۱

64 السنن ابی داود،کتاب الادب، باب فی الستر علی المسلم، ۴۸۹۱

65 النساء:۴:۱۴۸

66 جامع ترمذی،ابواب الفتن، باب ما جاء افضل الجهاد کلمة عدل عند سلطان، ح۲۱۷۴

67 النساء:۴:۱۳۵

68 البقرة:۲:۲۸۳

69 النور:۲۴:۱۹

70 المائدة: ۵:۵۱

71 السنن ابی داود،کتاب اللباس،باب فی لبس الشهرة،ح ۴۰۳۱

72 صحیح مسلم،کتاب العلم،باب اتباع السنن الیہود والنصاری،ح ۲۶۶۹

جاگیرداری نظام کا تعارف اور اسلام سے موازنہ

Introduction to the feudalism and it's comparison with Islam

ارشد عزیز[1]

Abstract:

Feudalism is a social system that developed in Europe in 8th century; vassals were protected by lords who they had to serve in war.There were three classes of Feudalism.The church who was praying,the princes who were fighting and the people who were working.In feudalism there were three kinds of farmers :bordars,cotters,villeins.Agricultural slavery is highlights of this system.In this system farmers treated as slaves by feudal lord.The ownership of land was the base of power.The church had no God'slaw.The church was supporting Feudalism.The farmer was target of Feudalism and church.The farmer was obliged to give valuable gifts.

The causes of decline of Fuedalism were crusades, dominance of moneylenders, hostile attitude of the kings and development of transportation resources.It was a simple system.This system was composed on cruelity, dictatorship; class system and economic backwardness.These are also the demerits of this system.

Islam is opposite to Fuedalism.According to Islam owner of land is Allah.Man is using this land as a trust.There is not present any concept of agricultural slavery in Islam.The relation of fuedal lord and farmer is the relation of agreement and assistant.Mutual agreement and farmings are legitimate cases of matter in Islam.Islam establishes justice and ends cruelity in this matter.

Unfortunately Fuedalism has finished in Europe but this system exists in some Islamic countries of modern era.Fuedal lords are behaving with farmers like slaves.They can torture them.They can leave the dogs on their families.They can spoil their honour.This way of farming is not Islamic.Islamic farming is not present in any country of the world.The second misconception is supposition of " Iqta"as a feudalism. Islamic farming may be continue on the basis of Iqta, mutual cooperation and cultivation.

So this article will help us to understand Fuedalism, its merits and demerits. This article will present the Islamic system of farming.In modern age we can establish the Islamic system of

farming in Islamic countries.We can make awareness for the peoples of Islamic countries.We can save Muslims from agricultural slavery and cruelities of feudal lord.

Key Words: Social system, Political science

1۔جاگیرداری نظام کا تعارف:(Introduction toFeudalism)

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالہ نگار "فیوڈل ازم" کے تحت لکھتا ہے:

فیوڈل ازم کو فیوڈل سسٹم (جاگیرادری نظام) یا فیوڈیلیٹی بھی کہا جاتا ہے۔جو فرانسیسی میں فیوڈالائٹ ہے،تاریخ نویسی قرون وسطی کے ابتدائی زمانے پانچویں اور بارہویں صدی کے درمیانی وقت کے طویل تسلسل میں مغربی یورپ کے سماجی،معاشی اور سیاسی حالات کی نامزدگی کو جوڑتی ہے۔فیوڈل ازم اور متعلقہ اصطلاح فیوڈل سسٹم یہ لیبل یعنی نشان ہیں جو اس زمانہ کے طویل عرصہ بعد ایجاد ہوئے جس میں یہ لاگو تھے۔ جنہوں نے انہیں ایجاد کیا تھا وہی حوالہ دیتے ہیں کہ انہوں نے اسے قرون وسطی کے ابتدائی اور درمیانی ادوار کی سب سے اہم اور مخصوص خصوصیات کے طور پر سمجھا تھا۔ فیوڈالائٹ اور فیوڈل سسٹم کا اظہار سترہویں صدی کے آغاز میں تیار کئے گئے اور انگریزی لفظ فیوڈیلیٹی اور فیوڈل ازم (اس کے ساتھ ساتھ جاگیری اہرام) اٹھارہویں صدی کے اختتام پر استعمال میں تھے۔یہ لاطینی لفظ "Feudum"(چور)اور "Feodalitas"(ایسی خدمات جو چور سے متعلق تھیں) سے ماخوذ ہیں۔یہ دونوں اصطلاحات قرون وسطی کے دوران استعمال ہوئیں اور بعد میں جائیداد رکھنے والوں کی ایک قسم کے لئے استعمال ہونے لگی۔[2]

مریم ویبسٹر ڈکشنری میں جاگیرداری کی تعریف میں لکھا ہے:

1. یہ سیاسی تنظیم کا نظام ہے جو یورپ میں نویں سے تقریبا پندرھویں صدی تک غالب رہا۔جو برطانوی نواب کے منصبدار (زمین کا قابض جو بدلے میں اپنے مالک کو عسکری مدد فراہم کرے/وفادار خادم کی ساری زمین کے ساتھ جو فیس اور اہم خصوصیات خراج عقیدت ،مزارعین کی خدمت زیر بازو اور عدالت میں،جنگی جہاز اور ضبط شدہ چیزوں کی بنیادوں پر قائم ہونے والے رشتے سے منعقد ہو۔
2. مختلف سیاسی یا سماجی نظاموں میں سے کوئی ایک جو قرون وسطی کے جاگیرداری نظام کی طرح ہو۔[3]

مریم ویسٹرز کی ہی لر نزڈ کشنری میں جاگیرادری کو مفہوم اس طرح لکھاہے:

> ایک سماجی نظام جو یورپ میں قرون وسطی کے زمانے میں موجود رہا۔ جس میں لوگوں نے نوابوں یا رؤسا کے لئے کام کیا اور لڑائی لڑی جنہوں نے انہیں بدلے میں تحفظ اور زمین کو استعمال کرنے دیا۔[4]

قرون وسطی یورپی تاریخ میں وہ زمانہ ہے جو پانچویں صدی کا من ایرا (سال کی یہ اصطلاح یہودیوں نے سن عیسوی کے مقابلے میں اختیار کی) میں رومی تہذیب کے خاتمے سے نشاۃ ثانیہ کے زمانے تک ہے۔[5]

A New Dictionary of British History میں" فیوڈل ازم" کے آغاز سے متعلق لکھاہے:

> "جاگیرداری نے قرون وسطی کے یورپ میں کئی شکلیں اختیار کی ہیں۔ انگریزی جاگیرداری اپنی مرکزیت اور صحتمندی کے حوالے سے مخصوص تھی۔ نارمن (قبیلہ) کی فتح سے پہلے ایک آدمی کا دوسرے پر انحصار اور ایڈورڈ (بادشاہ، اس کی حکومت ۱۲۷۲ سے ۱۳۹۷ تک رہی) میں (موت کے وقت) ایک مرکزی خیال کی تحریک کے اعتراف کے وقت مزارعین پر عسکری یا عسکریت سے مشابہ فرائض کی علامات موجود ہیں۔ کچھ سکالرز انہیں جاگیرداری کا آغاز قرار دیتے ہیں۔ لیکن اکثریت نارمن فتح کو انگریزی جاگیرداری کا آغاز قرار دیتے ہیں۔"

اس تفصیل کے بعد فیوڈل ازم کی مزید وضاحت میں لکھاہے:

> "ولیم اول، ایک فاتح کے طور پر منفرد موقع رکھتا تھا، جبکہ وہ ایک نیا معاشرہ قائم کرنے کے لئے اپنے پیروکاروں کو انعام دے رہا تھا۔ یہ معاشرہ اس اصول کی بنیاد پر قائم ہو رہا تھا کہ تمام زمین اس (ولیم اول) سے متعلق ہے۔ اس معاملے میں اس نے نارمن دستور کو منسوخ کر دیا اگرچہ دیگر کئی معاملات میں وہ اس (دستور) کی پیروی بھی کرتا تھا۔ وہ کئی مخصوص خدمات، منصبداری خدمات، فرینکلمائن (فرانسیسی قانون کی اصطلاح ہے، جس کا معنی ہے مفت خیرات: وہ روحانی دور جس کے ذریعہ ایک دینی ادارہ عام طور پر ڈونر کے لئے دعا کرنے کے لئے زمین پر قابض تھا) یا سر جینیٹی (ایک مخصوص جاگیرداری دور حکومت کے ساتھ ایک مخصوص ذاتی قابلیت میں بادشاہ کی خدمت کا فریضہ بھی) کے عوض اپنے سردار مزارعین کو اپنی زمین عطا کرتا تھا۔

سر دار مزارع (زمیندار) زمین حاصل کرنے کے بدلے اپنی خدمت کا ایک حصہ اپنے ماتحت مزارعین سے وصول کرتا۔ پس معاشرہ ایک ہرم (جمع اہرام اس سے مراد مثلث نما عمارت ہے) کی شکل اختیار کر گیا۔ ہر شخص اپنے سے برتر اور بالآخر بادشاہ کے ساتھ بندھا تھا۔ مخصوص خدمات کو نافذ کرنے کے لئے اور اپنے زمینداروں / سرادر مزارعین میں انصاف کرنے کے لئے، بادشاہ نے انہیں مجبور کیا کہ وہ عدالتیں بنائیں اور وہ اپنی باری پر اپنے مزارعین کی عدالتیں لگائیں۔"[6]

غرض رومی سلطنت کے خاتمے سے یورپ مختلف حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ان مختلف حصوں کا انتظام مقامی رئیس اور جاگیر دار سنبھال رہے تھے یہیں سے نظام جاگیر داری کا آغاز ہوتا ہے۔ قرون وسطی کے ابتدائی زمانے میں یورپ نے جنگیں چھیڑ رکھی تھیں۔ جنگوں کی وجہ سے معیشت تباہ حال تھی۔ حربی فنون میں ترقی کی وجہ سے جنگوں کے اخراجات بڑھ رہے تھے۔ جنگوں کا خرچ برداشت کرنا ان کے لئے مشکل تھا۔ اس مشکل معاشی صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے جاگیر دارانہ نظام اس فلسفہ کی بنیاد پر قائم کیا گیا کہ حاکم وہ ہے جو زمین کا مالک ہے اور محکوم وہ ہے جو اسے استعمال کر رہا ہے۔ حاکم اور محکوم کا تعلق زمین سے وابستہ ہے۔

2۔ جاگیر داری معاشرے کے طبقات:

جاگیرادری نظام کے تحت وجود پانے والا معاشرہ تین طبقات پر مشتمل تھا۔ ایک طبقہ دعا کرنے والا یعنی کلیسا (Church)، دوسرا طبقہ لڑنے والا یعنی امرا (Nobels) اور تیسرا طبقہ کام کرنے والوں یعنی عوام (Serf) کا تھا۔

(ا) کلیسا: (Church)

سب سے بڑا جاگیر دار خود کلیسا تھا، جس کے بارے میں "اکنامک ہسٹری آف یورپ" کا مصنف لکھتا ہے۔

"جب مغرب میں شاہی طاقت زوال پذیر ہوئی، کلیسا کی مادی اور روحانی طاقت میں اضافہ ہوا۔ ۳۱۳ میں عیسائیت کو سرکاری طور پر برداشت کیا گیا۔ بادشاہ اور عام پیروکاروں کی طرف سے بڑی تیزی کے ساتھ زمینوں کے عطیات بڑھنا شروع ہوئے۔ عمارات کی تعمیر کا کام، دینی پیشوائیت کے نظام کی اصلاح اور ایسے فرائض کا تعلیم اور خیرات کے طور پر اخراج نے بادشاہوں، نوابوں اور عوام کے ہاتھوں سے جائیداد اور آمدنی کے بڑے تبادلے کی دعوت دی۔ ویزیگو تھس (ابتدائی جرمنی کے لوگ) نے کلیسا کو چرچ کو سپین میں سب سے بڑا زمین کا مالک بنادیا۔ فرینکیش بادشاہ اتنے شاہانہ تھے کہ 700 تک شاید فرانس کا ایک تہائی حصہ کلیسا کے ہاتھ

میں تھا۔۔۔ان وسیع جائیدادوں کی بنیاد پر پوپ، بشپ اور ایبٹ نے ایک لارڈ اور لینڈ لارڈ کے طور پر حکومت کی۔"[7]

(۲)سرف: (Serf)

ورڈویب کے مطابق سرف قرون وسطی کا ایک شخص تھا جو زمین کا پابند اور جاگیر دار کی ملکیت تھا۔اسے مختلف فرائض کے بدلے ادائیگیاں کرنا پڑتی تھیں۔اکنامک ہسٹری آف یورپ میں لکھاہے:

Some servile payments were occasional .*Merchet* was the fee paid by a serf on the marriage of his daughter or by widows when they remarried. It was one of the commoniost badges of unfreedom[8]

کچھ غلامانہ ادائیگیاں کبھی کبھار ہوتی تھیں۔مرچٹ ایک فیس تھی جو ایک سرف کو اپنی بیٹی کی شادی پر ادا کرنا پڑتی تھی یا بیواؤں کے ذریعے جب وہ دوسری شادی کرتیں۔یہ عدم آزادی کے بیجوں میں سے ایک تھا۔

اسی طرح سرف کی وفات پر اس کے سامان کا وارث اس کا مالک ہوتا۔خاص کر اس جنگی سامان کا جو وہ بادشاہ سے حاصل کرتا۔

On the death of a serf his lord claim heriot and relief.Like many manorial claims,heriot sprang from an ancient practice.When a man died the fighting equipment which had been supplied him by his chief was returned to its owner.[9]

ایک سرف کی وفات پر اس کا مالک عطیات اور سامان تسکین کی واپسی کا مطالبہ کرتا۔جاگیرداری سے متعلق بہت سے دعووں کی طرح ،ہیروٹ ایک قدیم عمل سے پیدا ہوا۔جب ایک آدمی مرتا تو وہ جنگی ساز وسامان جو جو اسے اس کے سردار کی طرف سے فراہم کیا گیا ہوتا تھا،اپنے مالک کو واپس کرنا پڑتا۔

سرف کی بیوہ یا بیٹا اگر یہ سامان واپس خریدنا چاہتے تو انہیں ایک سال کا کرایہ ریلیف کے طور پر دینا پڑتا:

The widow or son might be allowed to buy them back, and in addition must pay relief which sometimes amount to one year’s rent, in order to take over the deceased serf’s holding.[10]

سرف کی حسب ذیل تین اقسام تھیں:

(i)بورڈرز: (BORDARS)

مریم ویبسٹر ڈکشنری میں بورڈر کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ بیان کی گئی ہے:

A feudal tenant holding a cottage and usually a few acres of land at the will of his lord and bound to menial service[11]

ایک جاگیر دار (کا) کرایہ دار جس کے پاس ایک جھونپڑی ہے اور عام طور پر کچھ ایکڑ اراضی اور معمولی خدمت کا پابند ہے۔

(ii)کاٹرز:(COTTERS)

مریم ویبسٹر ڈکشنری میں کاٹرز کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:

A peasant or farm laborer who occupies a cottage and sometimes a small holding of land usually in return for services[12]

ایک کسان یا کھیت کا مزدور جو کسی جھونپڑی میں رہتا ہے اور بعض اُوقات عمومی طور پر خدمات کے بدلے میں اسے زمین کے تھوڑے سے حصے کے مالکانہ حقوق حاصل ہوتے ہیں۔

(iii)ولین:(VILLEINS)

یہ دیگر سرف کی نسبت کچھ زیادہ ترقی یافتہ تھے اور انہیں کچھ معاشی آزادیاں بھی حاصل تھیں۔یہ جاگیر دار کے کچھ زیادہ پابند نہ تھے ان کے فرائض بھی مقرر تھے۔جاگیر داران سے اپنی مرضی کے مطابق ہر کام لینے کا مجاز نہ تھا۔ان میں سے بعض فصلوں کی کٹائی کے وقت بھی عام خدمات سے مستثنٰی تھے۔مریم ویبسٹر ڈکشنری میں ولینز کی تعریف میں لکھا ہے:

1: **A** freecommon Villager orVillage peasant of any of the feudal classes lower in rank than the thane.
2: A free peasant of a feudal class higher in rank than a cotter.
3: An unfree peasant standing as the slave of a feudal lord but free in legal relations with respect to all others.[13]

1. ایک آزاد عام دیہاتی یا جاگیر داری طبقات میں سے کسی ایک کا دیہاتی کسان جو رینک میں تھانہ سے کم تھا۔
2. جاگیر داری طبقے کا ایک آزاد کسان جو کاٹر سے رتبہ میں بلند تھا۔
3. ایک غیر آزاد کسان جو جاگیر دار کا غلام کے طور پر کھڑا رہا لیکن قانونی تعلقات میں دوسروں کے احترام کے ساتھ آزاد تھا۔

اگر ولین کا بیٹا پادریوں میں شامل ہونے کے لئے تربیت حاصل کرتا تو مالک اس کے معاوضہ کا دعوی کرتا تھا:

> If the villien's son was to be trained for entry into clergy, the lord might justly claim compensation for the loss of a worker and future father.[14]

زمین اور جاگیر دار تھوڑی زمین کسانوں کو کاشت کے لیے دیتے تھے اور ان سے جو پیداوار حاصل ہوتی اس کا ایک خاص حصہ جاگیر دار کو اور ایک خاص حصہ کلیسا کو دے کر جو کچھ بچ رہتا وہ کسان کی ملکیت ہوتا تھا۔

3۔ جاگیر داری نظام کا زوال:

یہ نظام زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔ چند سالوں میں فاتح اور حملہ آور ملک کے شرفا بن گئے۔ وہ جنگ کی نسبت ان کی زمینوں میں زیادہ دلچسپی لیتے تھے۔ اور جنگ کے لئے سواری کرنے میں بہت پرانے ہو گئے۔ جیٹھائی قابل قبول تھی ، زمین بیٹیوں کے درمیان تقسیم ہوتی تھی۔ سردار مزارعین دوسروں کے مزارع بن گئے۔ اور (انتظامی) ڈھانچہ کی پیچیدگی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ بڑے مزارعین مزید طاقتور ہو گئے جو بادشاہ کو چیلنج کرنے لگے۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے اپنے افسروں اور اپنی عدالتوں کے ذریعہ ، اپنے مزارعین کی طاقت کا جائزہ لے کر اور ان کے اور ان کے مزارعین کے درمیان مداخلت کر کے کامیابی سے اپنے اختیار میں توسیع کی۔ نازک توازن ختم ہو چکا تھا۔

عظیم تبدیلیاں ۱۱۶۶ تک واقع ہو چکی تھیں۔ اور تیرھویں صدی کے آغاز پر جاگیر دار معاشرے کو ان کی ذاتی خدمت کی بجائے معاشی رشتوں کے ذریعہ اکٹھا رکھا گیا۔ نائٹ سروس کی کچھ ذاتی کارکردگی چودھویں صدی تک برقرار رہی۔ عدالتوں میں حاضری نے بڑے مزارعین کے ذریعہ بادشاہوں کے موروثی کونسلرز ہونے کے دعوی میں ہوا بھر دی تھی۔ ایک ایسا دعوی جس کا عکس میگنا کارٹا (انسانی حقوق کی دستاویز)، آکسفورڈ کی فراہمی اور ۱۳۱۱ کے آرڈیننسز اور ابتدائی پارلیمانی تاریخ پر کافی اثر کے ساتھ نظر آتا ہے۔ لیکن عمومی طور پر ولیم اول کا ڈیزائن کردہ معاشرہ پہلے تیزی سے اور پھر زیادہ آہستہ انداز میں زوال پذیر ہو گیا۔ جاگیر داری کا انگلینڈ میں ۱۶۶۱ اور سکاٹ لینڈ میں ۱۹۱۴ میں خاتمہ ہوا۔[15]

4۔جاگیرداری نظام کی مسلم تفہیم:

سید ابوالاعلیٰ مودودی جاگیرداری نظام کی خصوصیات کے بارے میں بہت تفصیل سے لکھتے ہیں، جس کا اختصار یہ ہے کہ :اس نظام میں اقتدار کی بنیاد زمین کی ملکیت قرار پائی۔مالکان زمین کو بادشاہت،عزت،طاقت،بالادستی اور مستقل حقوق حاصل تھے۔مزارعین اور تاجر وغیرہ رعایا تھے۔یہ ایک طبقاتی نظام تھا جس میں ہر شخص اپنے سے بلند مرتبہ کا غلام اور اپنے سے کم مرتبہ کا آقا تھا۔ مسیحی کلیسا کے پاس خدائی قانون اور الہامی ہدایات اپنی اصلی شکل میں موجود نہیں تھے۔اس کے تحت قدیم خیالات عقائد تھے،ہر رسم شریعت تھی اور ان سے انحراف کفر قرار پایا۔کلیسا اس نظام کے تحت جڑ پکڑنے والے تمام روایتی اداروں، حقوق،امتیازات اور پابندیوں کو مذہبی سند عطا کررہا تھا۔مرکزی حکومت کے نہ ہونے کی وجہ سے تجارتی سرگرمیاں ختم ہوگئیں۔پیشوں پر برادریوں کا اجارہ تھا۔ان مختلف اسباب نے ترقی 'توسیع 'ایجاد 'فنی اصلاح اور اجتماع سرمایہ کا دروازہ تقریباً بند کررکھا تھا۔[16]

محمد قطب اپنی کتاب میں درج چند اقتباسات کی روشنی میں جاگیرداری نظام کی خصوصیات کو اجمالاً یوں بیان کرتے ہیں

۱۔ دائمی زرعی غلامی۔

۲۔ کسان پر فرائض اور ذمہ داریوں کا ناقابل برداشت بوجھ، چنانچہ ہر کسان کا فرض تھا کہ وہ:

(الف) ہفتے میں ایک پورا دن زمیندار کے کھیتوں میں بیگار دے۔

(ب) فصل کی کاشت اور کٹائی جیسے مواقع پر زمیندار کی بلا معاوضہ اور جبری خدمات انجام دے۔

(ج) مذہبی تہواروں اور ایسے ہی دوسرے خوشی کے مواقع پر اپنی غربت و تنگدستی کے باوجود اپنے ہر لحاظ سے خوشحال اور متمول آقا(یعنی زمیندار) کو قیمتی تحائف دے۔

(د)اپنا غلہ صرف زمینداروں کی مشینوں پر پسوائے اور انگوروں کا رس نکالنا ہو تو صرف اسی کی مشینوں پر جاکر نکلوائیں۔

۳۔زمیندار کے وسیع اور لامحدود اختیارات جن کی رو سے وہ۔۔۔۔۔۔۔

(ا)مختلف کسانوں کو جتنا جتنا رقبہ زمین مناسب سمجھتا تھا اپنی صوابدید سے دے دیتا تھا۔

(ب)ان فرائض اور ذمہ داریوں کا تعین کرتا تھا جو کسانوں کو انجام دینا ہوتی تھیں

(ج)ان ٹیکسوں کا تقرر کرتا تھا جو کسانوں کے لیے اسے ادا کرنا لازمی تھے۔

۴۔زمینداروں کے وہ لامحدود انتظامی اور عدالتی اختیارات جنہیں وہ کسی ملکی قانون کے مطابق نہیں بلکہ جیسے چاہتا تھا استعمال کرتا تھا اور اس سلسلے میں اس پر کوئی قانونی گرفت نہیں کی جاسکتی تھی۔

۵۔جاگیرداری نظام کے دور انحطاط میں کسانوں کے لیے یہ لازمی شرط تھی کہ اگر وہ آزادی حاصل کرنا چاہیں تو اس کے لیے پہلے لازماً ایک مخصوص رقم زمیندار کو ادا کریں۔[17]

مفتی تقی عثمانی کے نزدیک جاگیر داری نظام کا فلسفہ یہ تھا کہ ہر محکوم کسی حاکم سے اور ہر حاکم بطور محکوم کسی بادشاہ سے جڑا تھا اور بالآخر یہ سب خدا سے جڑے تھے۔ ہر محکوم زمیندار کے ذمہ چند فرائض، خدمات اور ادئیگیاں تھیں۔ فیوڈل لارڈ کی بیٹی کی شادی کے اخراجات، نائٹ سردار بنانے کی تقریب کے اخراجات، فیوڈل لارڈ کا جنگ میں قید سے آزاد کروانے کا فدیہ ادا کرنا رعایا کی ذمہ داری تھی۔ یہ فدیہ مزارعین کی قید کی صورت میں بھی ہو سکتا تھا۔ فیوڈل لارڈ کے شکار کھیلنے کے انتظامات کرنا کاشتکاروں کی ذمہ داری تھی۔ ماتحت کاشتکار اگر فیوڈل لارڈ کے احکام کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی زمین ضبط کر لی جائے گی۔ جاگیر داروں نے من مانے قوانین نافذ کر دیئے۔ عسکری ضرورت کی وجہ سے بادشاہ ان کے مطالبات تسلیم کرنے پر مجبور تھے۔ لیکن جب بادشاہ اور جاگیر دار کے مفادات ٹکرائے تو پھر تصادم ہوا جس کے واقعات کی تفصیل بہت طویل ہے۔[18]

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے جاگیر داری اور زمینداری نظام کی مخالفت کی ہے کیونکہ اس میں فرد کا استحصال ہوتا ہے۔ کاشتکار زمین کو اس وقت تک بطور امانت رکھ سکتا ہے جب تک وہ کاشت کرتا ہے یا بغیر استحصال کے کاشت کراتا ہے۔ کسی بھی قوم کے معاشی استحکام کا دوسرا ذریعہ زراعت ہے۔ ان کی نظم الارض للہ کی رو سے زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ کسی حکومت یا فرد کی ملکیت نہیں ہے۔ مسلمان کے پاس یہ زمین ایک امانت ہے۔

دہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں[19]

کسان جو کچھ پیدا کر رہا ہے اس کا ملک کسان ہے۔ کسان کے سوا اس پیداوار کا کوئی اور حقدار نہیں۔ وہ دہقان کو اپنی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آشنا اپنی حقیقت سے ہوائے دہقاں ذرا ------ دانہ تو، کھیتی بھی تو باراں بھی تو حاصل بھی تو
آہ! کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے -------- راہ تو، رہرو بھی تو، رہبر بھی تو منزل بھی تو[20]

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اپنی نظم "گلہ" میں دہقان کی حالت زار بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دہقان ہے کسی قبر کا اگلا ہوا مردہ ------- بوسیدہ کفن جس کا ابھی زیر زمیں
ہے
جان بھی گرو غیر بدن بھی گرو غیر ----- افسوس کہ باقی نہ مکاں ہے نہ مکیں ہے[21]

اسی طرح ڈاکٹر علامہ محمد اقبال نے اپنی نظم "فرمان خدا(فرشتوں سے)" میں غربا کو بیدار کرنے کے علاوہ دہقانوں کے حقوق کی بات کی ہے۔ اگر دہقان زمین کی پیداوار سے محروم ہے تو اقبال کے نزدیک پھر کوئی بھی اس پیداوار کا حقدار نہیں ہے:

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی اس کھیت کے ہر خوشہ گندم کو جلا دو[22]

5۔ جاگیرداری نظام کے زوال کے اُسباب:

تیرھویں اور چودھویں صدی میں یورپ کے حالات تبدیل ہونا شروع ہوئے۔ حالات کی اس تبدیلی نے بالآخر جاگیرداری نظام کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے زوال کے اسباب درج ذیل تھے:

(ا) صلیبی جنگیں:

جاگیرداری نظام کے زوال کی ایک اہم وجہ صلیبی جنگیں تھیں۔ اس سلسلہ میں سید ابوالاعلی مودودی لکھتے ہیں:

> ''ایک طرف ہسپانیہ اور صقلیہ پر مسلمانوں کے قبضے نے اور دوسری طرف صلیبی لڑائیوں نے اہل مغرب کو دنیا کی ان قوموں سے دوچار کیا جو اس وقت تہذیب و تمدن کی علمبردار تھیں۔ اگرچہ تعصب کے اس پردے نے جو کلیسا کے اثر سے اہل مغرب کی آنکھوں پر پڑا ہوا تھا ان لوگوں کو براہ راست اسلام کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا لیکن مسلمانوں سے جو سابقہ ان کو پیش آیا اس کا یہ فائدہ ضرور ہوا کہ خیالات، معلومات اور ترقیافتہ طریقوں کی ایک وسیع دولت ان کے ہاتھ آئی اور وہی آخر کار ایک نئے دور کے آغاز کا موجب ہوئی''[23]

ڈاکٹر منور حسین چیمہ لکھتے ہیں:

> ''ان تبدیلیوں کا خاص سبب صلیبی جنگیں تھیں جو اسلام اور عیسائیت کے درمیان لڑی جارہی تھیں۔ صلیبی جنگوں (۱۰۹۶۔۱۲۷۰) کے درمیان مشرقی بحیرۂ روم سے مسلمانوں کا تسلط ختم ہو گیا اور اس کے بڑے بڑے جزائر، صقلیہ، قبرص اور ہوڈس پر اہل یورپ کا قبضہ ہو گیا۔ ان جنگوں کے باعث یورپ کی جہاز رانی اور تجارت کو بڑی ترقی ہوئی اور تاجروں کا ایک بڑا طبقہ وجود میں آگیا جس کا کام یہ تھا کہ وہ ان زائرین اور افواج کے لیے ضروری اشیاء فراہم کرے جو ارض مقدس میں قیام پذیر تھیں۔''[24]

صلیبی جنگوں نے معاشی زندگی کو بری حد تک متاثر کیا یعنی اکثر صورتوں میں یہ ہوا کہ جاگیرداروں کی جائیدادیں اور املاک ان کے ہاتھوں سے نکل کر اہل حرفہ کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

(۲) ساہوکاروں کا تسلط:

جاگیرداری نظام کے زوال کا دوسرا بڑا سبب ساہوکاروں کا تسلط تھا۔ ڈاکٹر منور حسین چیمہ صاحب لکھتے ہیں:

> اسی طرح زائرین اور فوجیوں کی مالی ضروریات کی تکمیل کے لیے رفتہ رفتہ ساہوکاروں اور بینکروں کا ایک طبقہ وجود میں آیا جو صلیبی جنگوں میں شرکت کرنے والے فوجی سرداروں اور جاگیرداروں کو مالی امداد بطور قرض دیتا تھا۔اس امداد کے معاوضہ میں اکثر شہروں نے جاگیرداروں سے آزادی حاصل کرلی اس طرح شہروں کی بہت بڑی تعداد جاگیرداروں کے تسلط سے آزاد ہو کر ساہوکاروں کے قبضہ میں چلی گئی۔ تجارت کے فروغ اور سرمایہ داروں کے اس نئے طبقہ نے رفتہ رفتہ جاگیرداروں کی قوت کو مضمحل کر دیا۔[25]

(۳) بادشاہوں کا معاندانہ رویہ:

بادشاہ جاگیرداروں کی روز بڑھتی ہوئی قوت سے خوف زدہ تھے اور ان سے حسد کرتے تھے۔اس لیے وہ نچلے طبقوں کو ان کے خلاف اکسا اکسا کر جاگیرداروں کا اقتدار کم کرنے میں ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

(۴)وسائل آمدورفت کی ترقی:

وسائل آمدورفت کی ترقی کے باعث ہر ملک کے لوگوں کا ربط آپس میں بڑھنے لگا جس نے کسانوں میں جاگیرداروں کی حمایت کا احساس ختم کر کے ان میں قومی وفاداری کا جذبہ پیدا کیا۔ صلیبی جنگوں نے بھی اس قومی جذبہ کو پیدا کرنے میں بہت مدد دی۔[26]

(۵)بادشاہوں اور جاگیرداروں کی کشمکش:

یورپ کے عوام جاگیرداروں کی چیرہ دستیوں اور ان کے مالی مطالبات سے تنگ آچکے تھے۔ادھر بادشاہ بھی جاگیرداروں کی خود سری سے پریشان تھے اور انہیں مکمل طور پر اپنا محکوم بنانا چاہتے تھے۔اس طرح اب یورپ کے ہر ملک میں بادشاہوں اور جاگیرداروں کے درمیان کشمکش کا آغاز ہوا۔ غرض نظام جاگیرداری کی تباہی کا باعث خود اسی کے ارکان اعظم یعنی بادشاہ اور جاگیردار بنتے ہیں اور ان دونوں کی باہمی رقابت اور ان کے باہمی اختلافات اس درجہ بڑھ جاتے ہیں کہ دونوں حرفتی جتھوں کی حوصلہ افزائی کر کے اور صنعتی شہروں اور قصبوں کو اپنی سرپرستی میں لے کر اپنی طاقتوں کو بڑھانا شروع کرتے ہیں اور اس طرح بالواسطہ جاگیری نظام کے توڑنے کا موجب بنتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس نظام کی شکستہ بنیادوں پر ایک نئے نظام کی عمارت تیار ہونے لگتی ہے۔

(۶)مرکزی حکومتوں کا قیام:

عوام نے جاگیر داروں سے نجات حاصل کرنے کے لیے بادشاہوں کی تائید کی اور رفتہ رفتہ یورپ کے اکثر ممالک خصوصا انگلستان اور فرانس میں مضبوط مرکزی حکومتیں قائم ہو گئیں جنہوں نے جاگیر داروں کی سرکشی کا خاتمہ کر دیا۔ سرمایہ داروں، ساہوکاروں اور تاجروں کے نئے طبقہ نے بادشاہوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو خوش آمدید کہا۔ کیونکہ ملک میں ایک طاقتور مرکزی حکومت کا قیام اور امن وامان کی بحالی، ان کی تجارتی اور صنعتی ترقی کے لیے ضروری تھی۔ بادشاہوں نے بھی تجارت اور صنعت وحرفت کو فروغ دینے کی غرض سے ان طبقات کی سرپرستی شروع کر دی اور جہاز رانی کو ترقی دینے کی بطور خاص کوشش کی تاکہ بیرونی ممالک سے خام مال منگوانے میں سہولت ہو اور ملکی مصنوعات باہر روانہ کی جا سکیں۔[27]

(۷)اندلس میں مسلمانوں کا زوال:

۱۴۹۲ء میں یورپ کے بہترین ملک اندلس میں ایک بڑا انقلاب رونما ہوا۔ مسلمانوں کی جو عظیم الشان حکومت وہاں آٹھ سو سال سے قائم تھی عیسائی بادشاہ فرڈی ننڈ اور ملکہ ازبیلا کی مجموعی طاقت نے مل کر اس کا خاتمہ کر دیا۔ اس طرح یہاں بھی ایک مضبوط بادشاہت قائم ہو گئی۔

(۸)سیکولرازم کی ابتدا:

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ کلیسا سب سے بڑا جاگیر دار تھا اور جاگیر داری نظام کو مدد فراہم کر رہا تھا۔ مارٹن لوتھر ایک پادری تھا جو ۱۵۱۰ء میں روم گیا۔ اس نے رومی کلیسا کو دیکھا کہ وہ معافی نامے فروخت کر رہا ہے۔ اس دولت کی پوجا اور دنیاداری کو دیکھ کر وہ حیران ہو گیا اور اس نے رومن کیتھولک کے خلاف کھلم کھلا بغاوت کا اعلان کر کے پروٹسٹنٹ فرقے کی بنیاد رکھی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۵۱۷ء میں اس نے کلیسا کے دروازے پر اپنا ایک مضمون چسپاں کیا جو پچانوے نقاط پر مشتمل تھا۔ اس نے اس مضمون کی خوب اشاعت کی۔ جلد ہی اس نے عمومی کلیسائی تنظیموں اور پوپ کے اختیارات کو رد کر دیا۔ لوتھر ایک زرخیز ذہن کا مصنف تھا۔ اس نے سب سے پہلے انجیل کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ مذہب کو سمجھنے کے لئے پادریوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کی رہنمائی کے لئے انجیل مبارک اور سادہ عقل کافی ہے۔ ۱۵۲۱ء میں کلیسا کی انجمن نے اسے بدعتی قرار دیا اور اس کی تحریروں پر سخت پابندی عائد کر دی۔[28]

معیشت اور معاشرت اور سیاست کے میدان میں جاگیر داروں کے اقتدار کو چیلنج کیا گیا اور ان سارے امتیازات کے خلاف آواز اٹھائی گئی جو نظام جاگیر داری کے تحت قائم تھے۔ آہستہ آہستہ یہ جنگ پرانے نظام کی پسپائی اور ان نوخیز طاقتوں کی پیش قدمی پر منتج ہوتی چلی گئی اور سولھویں صدی تک پہنچتے پہنچتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ یورپ کے مختلف ملکوں میں چھوٹی چھوٹی جاگیرداریاں ٹوٹ ٹوٹ کر بڑی بڑی قومی ریاستوں میں جذب ہونے لگیں۔ یورپ کے روحانی تسلط کا طلسم ٹوٹ گیا۔ نئی قومی ریاستوں کے غیر مذہبی حکمرانوں نے کلیسا کی املاک ضبط کرنے شروع کر دیں۔[29]

6۔جاگیردارانہ نظام کی خوبیاں:

یہ نظام کم خوبیوں کا مالک تھا۔ڈاکٹر کیلس انگرام جاگیرداری نظام کی خوبیوں پر مجموعی تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> فلسفہ تاریخ کے اکثر علما کا قول ہے "جاگیرداری نظام" قیام امن وامان اور حفاظت عامہ کے لئے ناگزیر تھا اور اس کی بدولت عام تہذیب میں اہم عناصر کا اضافہ ہو نیز ہم اس نظام کو اس زمانے کے لیے موزوں اور نفع رساں بھی تسلیم کرسکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہم اس بات کو مان لینے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ اس نظام میں وہ تمام خوبیاں بھی موجود تھیں جو اس کی اصلی نوعیت اور اس کی تاریخی خدمت سے بہت بعد رکھتی ہیں۔[30]

(۱)سادہ نظام:

جاگیرداری نظام میں آئین سازی اور قانون سازی کا کوئی ادارہ موجود نہیں بلکہ یہ عادات وروایات پر مبنی ایک نظام ہے۔اسی لیے برطانوی آئین ابھی تک لکھا ہوا نہیں ہے۔ نیز یہ ایک پیچیدہ اور الجھا ہوا نظام نہیں ہے۔

(۲)انتظامی اخراجات میں کمی:

تمام انتظامات جاگیردار کے تحت ہوتے تھے اور وہی ان کو سنبھالتا اور نبھاتا تھا۔ صحت، عدالت، پولیس، فوج یا اس طرح کے دیگر اداروں اور ان کے عہدیداروں کی ضرورت پیش نہیں آتی، اس لیے انتظامات پر اخراجات بالکل نہیں آتے۔

(۳) قانون کا براہ راست نفاذ:

موجودہ عدالتی نظاموں میں مختلف مقدمات کے فیصلوں میں خاصی تاخیر ہو جاتی ہے اور بعض مقدمات تو کئی سالوں تک چلنے کے باوجود ان کا فیصلہ نہیں ہو پاتا۔ مگر جاگیرداری نظام میں چونکہ جاگیردار نے ہی فیصلہ کرنا ہوتا تھا، اس لیے مقدمات کے فیصلے مختصر مدت میں اور جلدی ہو جاتے تھے۔

(۴)رائے عامہ سے آگاہی:

جاگیردار جاگیر کا مالک تو ہوتا ہے لیکن اس کا انتظام عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور جاگیردار عوام سے رابطہ رکھتا ہے، اس لیے اسے عوامی رائے سے واقفیت حاصل ہوتی رہتی ہے اور وہ اپنے طرز عمل میں تبدیلی لا سکتا ہے۔

(۵)مقامی ضروریات کی تکمیل:

جاگیردار چونکہ اپنے علاقے کا خود منتظم ہوتا تھا۔رائے عامہ سے آگاہی کی بنیاد پر وہ مقامی ضروریات کو جانتا اور ان کی تکمیل کرتا تھا۔

(۶)ہمدردانہ رویہ کی جھلک:

کلیسائی زمینوں پر زرعی غلاموں کے ساتھ نہایت عمدہ اور ہمدردانہ سلوک کیا جاتا تھااور شمالی فتوح کے بعد تو یہ حالت ہوئی کہ پادریوں کی جماعت نہ صرف اپنے مذہبی منصب کے اعتبار سے بلکہ اس زمانے کے لحاظ سے پنچ اور مظلوم طبقوں کے محافظ اور سرپرست قرار پا گئی۔[31]

7۔جاگیرداری نظام کی خامیاں

(ا)جاگیردار کے لامحدود اختیارات:

یہ نظام دراصل جبر واستبداد پر مبنی تھا جس میں جاگیردار کو لامحدود اختیارات حاصل تھے کہ وہ جو کچھ کرے اسے آزادی ہے اس لیے اگر کوئی جاگیردار کے خلاف کچھ کہتا یا کلیسا کے خلاف زبان کھولتا تو اسے دبا دیا جاتا۔زمین غصب کر لیتے۔کاشتکاروں کو ان کے حق سے محروم کردیتے۔

(۲)آمریت:

ڈاکٹر کیلس انگرام کے نزدیک آمریت جاگیرداری نظام کی سب سے بڑی خامی ہے۔اس لئے کہ تمام اختیارات جاگیردار کے ہاتھ میں ہوتے اسے کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا۔لوگ اس کے فیصلے کو ماننے کے پابند ہوتے۔جاگیردار کی بات مذہبی نقطہ نظر سے دینی حکم کا درجہ رکھتی تھی۔

(۳)معاشی پسماندگی:

ڈاکٹر کیلس انگرام جاگیرداری نظام کی معاشی پسماندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

> جاگیریت کے کامل تسلط وعروج کے زمانے میں صنعت و تجارت کی ترقی کی کوشش ناممکن تھی۔۔۔۔اس نظام میں جس جماعت کو غلبہ حاصل تھا وہ صنعت سے مطلقا کوئی دلچسپی نہ رکھتی تھی۔یہ جماعت دستکاروں اور ان کے پیشوں کو حقارت سے دیکھتی تھی سوائے ان پیشوں کے جو جنگ سے اور جاگیرداروں کے تفریحی مشاغل سے متعلق تھے۔گویا افراد و قوم کی معاشی زندگی کا مدار بیشتر جائیداد غیر منقولہ کی ملکیت اور زراعت پر تھا۔جاگیردار کی آمدنی کا ذریعہ اس کے کھیتوں کی پیداوار اور لگان تھااور یہ آمدنی نہ صرف جاگیردار کی ضرورتیں پوری کرتی تھی بلکہ اس کے خدام کی خدمت کے معاوضے میں اور اس کے متوسلین کی پرورش میں صرف ہوتی تھی۔گویا اس طرح نہ تو صنعت وحرفت میں حصہ لینے ہی کی ضرورت تھی اور نہ ان کی کوئی گنجائش ہی باقی رہی اور تجارت میں تو اتنا موقع بھی نہ

تھا۔ جاگیر دار اپنے اپنے کھیتوں پر صرف اتنی کاشت کرتے تھے جس سے ان کے خاندانوں کی یا زیادہ سے زیادہ ان کے گردو پیش کی ضرورتیں پوری ہو جاتی تھیں۔ اس لیے زرعی پیداوار کے بازار کے وسیع ہونے کی نوبت بہت کم آتی تھی۔ مختصر یہ کہ اس دور کی معیشت نہایت ہی سادہ اور خارجی محرکات کی عدم موجودگی کی وجہ سے غیر ترقی پذیر رہی۔[32]

سید ابوالاعلی مودودی جاگیر داری نظام کی اسی خامی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''چونکہ کوئی ایسا مرکزی اقتدار اور انتظام موجود نہ تھا جو بڑی بڑی شاہراہوں کو تعمیر کرتا اور انہیں درست حالت میں رکھتا اور ان پر امن قائم کرتا۔ اس لیے دور دراز کے سفر اور بڑے پیمانے پر تجارت اور کثیر مقدار میں اشیاء ضرورت کی تیاری اور کھپت غرض اس قسم کی ساری سرگرمیاں بند ہو گئیں۔''[33]

(۴)ترقی کے امکانات کا خاتمہ :

مال فوری اور مقامی ضروریات کے لیے تیار ہوتا تھا۔مال آس پاس کے علاقوں میں ہی کھپ جاتا۔ان مختلف اسباب ترقی، توسیع ایجاد، فنی اصلاح اور اجتماع سرمایہ کا دروازہ تقریبا بند تھا۔چونکہ جاگیر داری نظام میں مادی وسائل اور افرادی قوتوں اور صلاحیتوں کے استعمال کا کوئی نظام نہ تھا،اس لئے ترقی کے اقدامات کا خاتمہ یقینی تھا۔انہیں زندگی کے ہر میدان میں پسماندگی کا سامنا کرنا پڑا۔

(۵)طبقاتی نظام:

رومی سلطنت کا شیرازہ جب منتشر ہوا تو تمام یورپ میں جاگیر داری نظام قائم ہوا اور جاگیر داروں کو مختلف طبقات میں تقسیم کیا گیا، جو پیداوار زمین میں حسب مراتب حصہ دار تھے اور ہر بڑا جاگیر دار چھوٹے جاگیر داروں سے مقرر حصہ وصول کرتا تھا اور غلاموں اور مزدوروں سے کام لیا جاتا تھا۔اس نظام میں جاگیر دار کمزور طبقے پر بے حد ظلم کیا کرتے تھے، جس کے ازالے کی کوئی صورت نہ تھی کیونکہ اقتدار جاگیر داروں کے ہاتھ میں تھا، جن کا مفاد مشترکہ تھا۔[34]

(٦)مذہب کی غلط تفہیم:

کلیسا کی مداخلت نے لوگوں کو مذہب سے متنفر کر دیا۔ مولانا گوہر رحمٰن لکھتے ہیں:

کچھ مدت کے بعد دنیا پرستی اور شہوات کی بیماریاں ان راہبوں کی کلیساؤں کے اندر داخل ہو گئیں۔ فقیری اور درویشی کے یہ آشیانے دربار شاہی اور زہد وتقوی کے یہ خلوت خانے قحبہ خانے کی شکل اختیار کر گئے۔ان اہل کلیسا کے سامنے امرا اور دولت مندوں کی عیش وعشرت بھی شرماتی تھی۔ پانچویں صدی میں روم کا بشپ بادشاہوں کی

طرح اپنے محل میں رہتا تھا۔ پاپائے انوسینٹ ہشتم نے عیش پرستی کی وجہ سے پاپائیت کا تاج رہن رکھا اور پاپائے لودہم نے تین پاپاؤں کی آمدنی اڑا ڈالی۔ کہا جاتا ہے کہ مملکت فرانس کی ساری آمدنی بھی ان پاپاؤں کے اخراجات کے لیے ناکافی تھی۔ خانقاہیں بد اخلاقی کے اڈے بن گئے تھے۔ ان کی چار دیواریوں کے اندر نوزائیدہ بچوں کا قتل عام ہو رہا تھا۔ پادریوں اور چرچ کے مذہبی کارکنوں میں محرم عورتوں تک سے ناجائز تعلقات اور خلاف وضع فطری جرائم تک پھیل گئے تھے۔ کلیساؤں میں اعتراف گناہ کی رسم بد کرداری کا ذریعہ بن کر رہ گئی تھی۔ مذہبی کتابوں کا ترجمہ دوسری زبانوں میں ممنوع تھا تاکہ عوام جاہل رہ کر ان کی ہر بات مانتے رہیں۔ لوتھر کی تحریک اصلاح کے بعد کہیں جا کر بائبل کا ترجمہ دوسری زبانوں میں ہوا۔[35]

جان ڈیون پورٹ نے اپنی کتاب ''اپالوجی آف محمد اینڈ قرآن'' میں مذہبی عدالت کے احکام سے ہلاکت نفوس کی تعداد ایک کروڑ بیس لاکھ بتائی ہے۔ (یہ خونریزی خود) عیسائیوں کے ہاتھوں سے عیسائیوں کی ہوئی تھی۔[36]

احبار ورہبان کی اسی دنیاپرستی' نفس پرستی اور بربریت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

یٰاَیُّھاالذین اٰمنوٓااِنَّ کثیراًمن الاحبار والرّھبان لیاکلوناموٰل النَّاس بالبٰطلِ ویَصُدُّون عن سبیل اللہ[37] مومنو! یہودیوں اور عیسائیوں کے علماء اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق اور ناروا کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں۔

مولانا گوہر رحمان لکھتے ہیں:

چنانچہ لوگ پاپائیت کے اس احمقانہ اور ظالمانہ نظام کو مذہب سمجھنے لگے اور یورپ کی نفرت کے ساتھ خود مذہب کے خلاف بھی نفرت کے جراثیم پیدا ہونے لگے۔ اس نفرت کو آگے چل کر ڈارون' مارکس اور فرائیڈ جیسے لوگوں نے مزید آگے بڑھایا جس کی وجہ سے آج یورپ مادیت اور لادینیت کے سیلاب میں تباہ ہو کر رہ گیا ہے۔[38]

یہ تھا یورپ میں قرون وسطیٰ کا جاگیردارانہ نظام! اس نظام کی خرابیاں واضح تھیں کہ یہ جاگیردار ایک طرف تو اپنے نچلے لوگوں کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کرتے تھے، اور انہیں ہر طرح دبا کر رکھتے تھے اور دوسری طرف بادشاہ کے ساتھ ان کا جو تعلق تھا وہ آخر میں خودسری پر منتج ہوا اور ملک کی سیاست پر یہ لوگ اس طرح قابض ہو گئے کہ ان کی مرضی

کے خلاف کوئی کام ہو ہی نہیں پاتا۔ یہ سسٹم تھا جس کو جاگیر دارانہ نظام کہا جاتا ہے جو سالہا سال جاری رہا اور اس کے مفاسد سے پورا یورپ بلکتا رہا۔[39]

8۔اسلام اور نظام جاگیر داری:

(1)زمین کی ملکیت کی بنیاد پر اقتدار:

جاگیر داری نظام میں زمین کی ملکیت کی بنیاد پر اقتدار حاصل ہوتا ہے ۔اصل طاقت جاگیر دار کو حاصل ہوتی ہے۔افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ہندوستان کی مغلیہ سلطنت اور ترکی کی خلافت عثمانیہ کے بعض ادوار میں بھی اس جاگیر داری نظام کی جھلک نظر آتی ہے۔آج پاکستان جیسی اسلامی ریاست میں بھی اسی طرح کا جاگیر داری نظام موجود ہے ۔جاگیر دار طاقت کے نشے میں چور ہے۔وہ اپنے مزارعین کے ساتھ جو سلوک کرنا چاہے کر سکتا ہے۔وہ ان کی عزتیں پامال کر سکتا ہے ان کی بیٹیوں کو رکھیل بنا کر رکھ سکتا ہے۔ان پر کتے چھوڑ سکتا ہے۔مزارعین کے ساتھ اس کے غنڈے غیر انسانی سلوک کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ زمین کا مالک ہے۔

اسلام میں زمین بلکہ ہر چیز کا حقیقی مالک اللہ تعالی ہے۔انسان کی حیثیت اس کے خلیفہ اور نائب کی ہے۔خلافت ارضی اس کے پاس ایک امانت ہے۔وہ اس زمین کا عارضی مالک ہے، قیامت کے دن اسے اس امانت کا حساب دینا ہے ارشاد الٰہی ہے:

> اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ[40] اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز پر نگہبان ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

> أَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُونَ (63) أَأَنْتُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ[41] بھلا دیکھو جو کچھ تم بوتے ہو، تو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اسے اگاتے ہیں۔

تفسیر قرطبیؒ کے اختصار میں بالی اور دانہ نکالنا انسان کے بس میں نہیں۔ حرث کی نسبت انسان کی طرف کی گئی جبکہ زرع کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی گئی۔ کیونکہ حرث ان کا فعل ہے اور ان کے اختیار پر جاری ہوتا ہے۔ جبکہ زرع اللہ کا فعل ہے۔وہ اپنے اختیار سے اگاتا ہے،ان کے اختیار سے نہیں اگاتا۔آنحضور ﷺ نے حرثتُ کہنے اور زرعتُ کہنے سے منع فرمایا ہے۔نیز زمین سے عشر اور خراج دینا اللہ کا حق ہے۔

زمینیں دو اقسام پر مبنی ہیں ایک غیر مملوکہ اور دوسری مملوکہ ۔اصطلاح فقہا میں غیر مملوکہ کو ارض مباحہ بھی کہا جاتا ہے۔ ممالک جنگ کے ساتھ بھی فتح ہوتے ہیں اور بغیر جنگ کے صلح وامان کے ساتھ بھی فتح حاصل ہوتی ہے۔ غیر مملوکہ میں جنگ و صلح کے ساتھ فتح ہونے کی صورت میں احکام یکساں ہیں جبکہ مملوکہ زمین میں دونوں فتوحات کے احکامات مختلف ہیں۔

ارض مباحہ کا کوئی شخص مالک نہیں اس کی تین اقسام ہیں :

(۱)وہ جو آبادی کے قریب بستی والوں کی عام اور مشترک ضروریات میں کارآمد ہیں ۔ جیسے سڑکیں ، قبرستان ، عید گاہ وغیرہ۔ بادشاہ سمیت کسی کو ان کے مالکانہ حقوق حاصل نہیں ہوں گے ۔ یہ مسلمانوں کی عام اور مشترک ضروریات کے لئے وقف ہوں گی۔ رفاہ عامہ کے لئے حکومت نگرانی کرے گی۔

(۲)ایسی زمینیں جو غیر آباد جنگلات اور پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ جو نہ تو آباد ہیں اور نہ زراعت کے قابل ہیں۔انہیں ارض موات بھی کہا جاتا ہے۔ مسلم حکمران کی اجازت سے جو شخص (خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم)اسے آباد کرے اور قابل نفع بنائے وہی مالک ہے۔

(۳)ایسی زمینیں جو کسی بستی کی ضروریات میں مشغول نہیں لیکن زراعت اور نفع کے قابل ہیں۔ان کو اراضی بیت المال کہا جاتا ہے۔اس کی آمدنی ومنافع بیت المال میں حق رکھنے والوں پر خرچ ہو گی۔ جاگیر کے شاہی عطیات دینے کا تعلق انہی زمینوں سے وابستہ ہے۔بیت المال کی زمین کی اقسام درج ذیل ہیں :

(۱)جو فتح سے پہلے کسی کی ملکیت نہیں تھیں۔

(۲)کسی لاوارث مرنے والے کی زمین۔انہیں اراضی مملکت،اراضی حوز یا اراضی سلطانیہ کہا جاتا ہے۔

(۳)مفتوحہ ملک کی مملوکہ زمینوں میں سے پانچواں حصہ بیت المال کو دیا جائے گا۔

(۴)قہراً فتح ہونے کی صورت میں امیر کو اختیار ہے کہ مخصوص مملوکہ زمینوں کو بیت المال کے لئے وقف کر دے۔اس پر حضرت عمرؓ کا عمل موجود ہے۔

زمین کی دوسری قسم مملوکہ ہے۔اگر یہ زمین صلح کے ذریعہ فتح ہوئی اور سب لوگ مسلمان ہو گئے نیز امیر کے مطیع ہو گئے۔اس صورت میں ہر شخص اپنی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کا بدستور مالک رہے گا۔ لیکن اگر وہ مسلمان اور مطیع نہیں ہوں گے تو اراضی مملوکہ کی شرائط صلح کی پابندی لازمی ہو گی۔البتہ ان کی زمینوں پر خراج اور جزیہ مقرر کر دیا جائے گا۔جو ہر سال بیت المال میں جمع ہو گا۔

اگر زمین جنگ کے ذریعہ فتح ہوئی ہے تو امیر المسلمین کو تین طرح کے اختیارات ہیں :

۱۔ منقولہ اموال کو مال غنیمت کی طرح تقسیم کرے اور خمس نکالے۔ زمین کا پانچواں حصہ بیت المال کے لئے نکالے۔

۲۔ مفتوحہ اراضی پر زمین کے مالکوں کی ملکیت برقرار رکھے ، جن پر خراج اور جزیہ عائد ہو گا۔ یہ آمدنی بیت المال میں جمع ہو گی۔ کتاب الاموال کے مطابق حضرت عمرؓ نے مملوکہ زمینوں کی تقسیم کے مطالبے کے باوجود انہیں تقسیم نہ کیا اور خراج کو آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کیا۔

۳۔امیر اس زمین کو نہ تو مال غنیمت کی طرح تقسیم کرے اور نہ ہی سابقہ مالکان کی ملکیت کو قائم رکھے بلکہ اس زمین کو بیت المال میں شامل کرے۔[42]

اس کے علاوہ یہ کہ زمین کی ملکیت کی بنا پر کسی مزارع پر ظلم کرنا ہرگز جائز نہیں۔اس سلسلہ میں محمد قطب لکھتے ہیں:

> جاگیرداری نظام میں کسان پر فرائض اور ذمہ داریوں کا ایک کمر توڑ بوجھ ہوتا تھا لیکن اسلامی تاریخ میں اس کا کوئی وجود نہیں۔اسلامی عہد میں اگر کوئی کسان خطاوار ثابت ہو جاتا تو زمیندار کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس سے اپنی زمین لے کر کسی اور کسان کے حوالے کر دے۔ لیکن اسے کسان کو کسی طرح ظلم و ستم کرنے یا جور و تعدی کا نشانہ بنانے کا کوئی اختیار نہیں تھا، کیونکہ اسلام زمیندار اور اس کے مزارعین کے مابین تعلقات آقائی اور غلامی کی اساس پر نہیں بلکہ آزادی اور مساوات کی بنیادوں پر استوار کرتا ہے۔[43]

(2)اسلام میں زرعی غلامی کا کوئی تصور نہیں:

اسلام میں زرعی غلامی کا کوئی تصور نہیں۔اسلام میں صرف جنگی قیدیوں کی غلامی کا تصور تھا اور اس سے متعلق احکامات ارشاد فرمائے گئے۔ لیکن اسلام میں بعض گناہوں کے کفارات کے طور پر غلاموں کو آزاد کرنے کی حوصلہ افزائی کی گئی

ہے۔ محمد قطب لکھتے ہیں:

> اسلام زرعی غلامی کو قطعا برداشت نہیں کرتا۔وہ غلامی کی ایک صورت کے سوا اس کی کسی اور صورت کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔اس کی رو سے زرعی غلامی کو جو مزارعین کو ایک مخصوص رقبہ زمین کے ساتھ باندھ دیتی ہے قطعا کوئی جواز نہیں ہے۔اسلامی تاریخ غلاموں کی صرف ایک قسم سے آشنا ہے، جو مختلف جنگوں میں گرفتار ہو کر آنے والے جنگی قیدیوں پر مشتمل تھی۔اس سے ثابت ہوا کہ ابتدائی اسلامی معاشرے میں غلاموں کی مجموعی تعداد آزاد شہریوں سے بہت کم تھی۔ یہ غلام اپنے مالکوں کے کھیتوں میں کام کرتے تھے۔ یہاں تک کہ یا تو ان کے مالک اپنی مرضی سے انہیں آزاد کر دیتے تھے یا پھر وہ خود ان سے مکاتبت (لکھا پڑھی) کا مطالبہ کر کے اپنی آزادی حاصل کر لیتے تھے۔ مغرب کے جاگیرداری نظام کی تاریخ میں غلاموں کی آزادی کے اس طرح کے کسی طریقے کا سراغ نہیں ملتا کیونکہ اس نظام کا یہ منشا تھا ہی نہیں کہ کسانوں اور زراعتی کارکنوں کو آزادی کے جذبے سے سرشار کیا جائے۔اس کے برعکس اس کی کوشش ہمیشہ یہ رہی کہ ان کی غلامی کو دوام کی صورت دے دی جائے تاکہ اگر کسان اور زراعت پیشہ طبقے

کبھی آزاد بھی ہونا چاہیں 'تو آزادانہ ہو سکیں۔ مغرب میں کسان کو زرعی غلام سمجھا جاتا تھا جسے زمین کی طرح بیچا اور خریدا جاتا تھا۔ چنانچہ اگر زمیندار زمین کا کوئی ٹکڑا فروخت کرتا تھا تو اس پر کام کرنے والے تمام کسان بھی بک جاتے تھے اور زمین کے نئے مالک کی ملکیت بن جاتے تھے۔[44]

ڈاکٹر نور محمد غفاری صاحب لکھتے ہیں:

اسلام اس نظام زمینداری کی ہرگز اجازت نہیں دیتا جو انسان کو آقا اور غلام، ظالم و مظلوم اور مکمل بااختیار اور پوری طرح بے بس کر دے۔ جو انسانوں میں دلی نفرتوں، سماجی کدورتوں اور معاشی رنجشوں کے بیج بو دے۔ جس کے نتیجہ میں معاشرتی جدال و قتال کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ جس کا نظارہ روس اور اس کے اشتراکی پیروکار ممالک دیکھ چکے ہیں۔[45]

اسلام اس قسم کی زرعی غلامی کے تصور سے قطعاً ناآشنا ہے۔ سوائے ایک خدا کی غلامی کے جو موت وحیات کا خالق ہے، غلامی اور اطاعت کی باقی تمام صورتوں کی نفی کرتا ہے۔ ان کا شدید مخالف ہے۔ اس کے نزدیک کسی مخلوق کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنی جیسی کسی دوسری مخلوق کو اپنا غلام بنا لے کیونکہ ایسا ہونا غیر فطری ہے اور اس کا باعث ہمیشہ کچھ غیر اسلامی عناصر ہوتے ہیں۔

(3) اقطاع کو جاگیرداری سمجھنا:

بعض علماء نے جاگیرداری نظام کو اقطاع سمجھتے ہوئے جائز قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک غلط فہمی یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جاگیریں اور زمینیں عطا کی تھیں:

خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی۔ نصف بیت المال، مہمانی اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لئے خاص کر دیا گیا جبکہ باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ میں شریک تھے مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ کل فوج کی تعداد چودہ سو تھی، دو سو سوار تھے۔ سواروں کو گھوڑوں کے مصارف کے لئے پیدل سے دوگنا ملتا تھا۔ اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو کے برابر تھی۔ اس حساب سے کل جائیداد کے اٹھارہ سو حصے کئے گئے اور ہر مجاہد کے حصہ میں ایک حصہ آیا۔ جناب سرور کائنات ﷺ کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک حصہ ملا۔[46]

النبی ﷺ معهم له سهم کسهم احدهم [47]

نبی کریم ﷺ ان کے ساتھ تھے، آپ کا حصہ اتنا ہی تھا جتنا ان میں سے کسی ایک کا تھا

حضرت علقمہ بن وائل اپنے والد وائل بن حجر سے بیان کرتے ہیں:

انّ النّبی ﷺ اقْطَعَہا رضاً بحضرمَوتَ [48]

نبی کریم ﷺ نے انہیں حضر موت کی زمین بطور جاگیر عطا کی۔

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے اپنی کتاب "الوثائق السیاسیه" میں ان تمام صحابہ کرامؓ کا ذکر کیا ہے جن کو نبی کریم ﷺ نے جاگیریں عطا کی تھیں۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے صلے میں جاگیر عطا کی جاتی۔ جو انہی (قابل زراعت) زمینوں سے کی جاتی تھی۔ لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشر سے مستثنٰی نہیں ہوتی تھیں۔[49]

لیکن اس جاگیر دارانہ نظام کا اسلام کے حکم اقطاع سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان جاگیروں کے دینے کا مقصد مجموعی حیثیت سے ریاستی مفاد یعنی بنجر زمینوں کی آبادکاری کو مدنظر رکھنا تھا۔ یہ زمینیں یا تو انہیں خود آباد کرنا تھیں یا مزدوروں سے آباد کروانا تھیں۔

> عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : مَنْ أَعْمَرَ أَرْضًا لَيْسَتْ لِأَحَدٍ فَهُوَ أَحَقُّ . قَالَ عُرْوَةُ : قَضَى بِهِ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِي خِلَافَتِهِ
>
> جس نے کوئی ایسی زمین آباد کی، جس پر کسی کا حق نہیں تھا تو اس زمین کا وہی حقدار ہے۔ عروہ نے بیان کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہی فیصلہ کیا تھا۔

اسی حدیث کے باب میں یہ وضاحت موجود ہے کہ حضرت علیؓ نے کوفہ میں ویران علاقوں کو آباد کرنے کے لئے یہی حکم دیا تھا۔[50]

شبلی نعمانی اس سلسلہ میں لکھتے ہیں:

> حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی۔ عام حکم دے دیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے گا اس کی ملک ہو جائیں گی۔ لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور تین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اس کے قبضہ سے نکل جائے گی۔ اس طریقے سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں۔ حملے کے وقت جہاں جہاں کی رعایا گھر چھوڑ کر نکل گئی تھی ان کے لئے اشتہار دیا کہ واپس آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے۔[51]

نیز مزارعت کی شرائط شریعت نے طے کر دی ہیں جو جاگیر دارانہ نظام کی ظالمانہ شرائط سے بہت مختلف ہیں۔ کاشتکار اور زمیندار کا تعلق آجر اور اجیر سا ہوتا ہے نہ کہ آقا اور غلام جیسا ہوتا ہے۔ آجر اور اجیر کے حقوق کا تعین

شریعت اسلامیہ میں کر دیا گیا ہے۔ نیز کاشتکار سے معین پیداوار کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔اسی طرح وہ جاگیر دار کے ناجائز مطالبات پورے کرنے کا پابند بھی نہیں ہوتا۔ زمین پر شرعی واجبات خراج اور عشر کی صورت میں لاگو ہیں۔ جن میں تبدیلی کا اختیار کسی کے پاس نہیں ہے۔ان کا ادا کرنا لازم ہے۔

اسلام میں جاگیر دینے کے لیے ''اقطاع'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔ڈاکٹر وھبہ زحیلی نے اقطاع کی تعریف ''نیل الاوطار'' سے اس طرح نقل کی ہے:

> هو جعل بعض الاراضى الموات مختصة ببعض الاشخاص سواءاكان ذلک معدنا ام ارضا فيصير ذلک البعض اولى به من غيره بشرط ان يكون من الموات الذى لا يختص به احد او هو تسويغ الامام من مال الله شيئا لمن يراه اهلا له واكثر ما يستعمل فى الارض وهو ان يخرج منها لمن يراه مايجوزه اما بان يملكه فيعمره واما بان يجعل له علته مدة[52]

> وہ کچھ بنجر زمینوں کو بعض افراد کے لئے مختص کرتی ہے، چاہے یہ تیار ہو یا بنجر، یہ کچھ اپنے سے علاوہ سے بہتر ہو جاتے ہیں اس شرط کے ساتھ کہ بنجر کسی ایک کے لئے مختص نہ ہو یا اسے امام نے اللہ کے مال میں سے کسی چیز کو اس شخص کے لئے جائز یا خاص کر دیا ہو جسے وہ اس کے لئے اہل سمجھے اور زمین میں زیادہ استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ان لوگوں کے لئے باہر آنا ہے جو دیکھ سکتے ہیں کہ وہ کیا کر سکتے ہیں اور اسے عوامی طور پر بنانے کے لئے۔

علمائے سلف نے ''القطعیہ'' کی تعریف اس طرح بیان کی ہے:

> قطعیہ وہ زمین ہے جو امام عادل کی طرف سے اس شخص کو دی جاتی ہے جو اسلامی خدمات سرانجام دینے میں ممتاز مقام رکھتا ہے۔

اس تعریف میں دو شرائط پائی جاتی ہیں:

(۱) جاگیر وہ جائز ہو گی جو امام عادل نے دی ہو۔

(۲) جسے عطا کی جا رہی ہے اس نے اسلامی خدمات سرانجام دی ہو۔

نیز یہ تمام جاگیریں اسلامی حکومت کی تحویل میں ہوں گی۔ مسلم حکمران یا اسلامی حکومت ان جاگیروں کی واپسی کا اختیار رکھتی ہے۔اس تعریف کی رو سے جاگیر داری نظام کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔[53]

اقطاع کی درج ذیل صورتیں ہیں:

(1) جسے زمین دی جائے اسے زمین کا مالک بنادیا جائے۔ وہ اس زمین کو خریدنے اور بیچنے کا اختیار رکھتا ہے۔ نیز یہ زمین اس کی اولاد میں شریعت کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق تقسیم ہوگی۔ کتاب الاموال میں ایسے اقطاعات کی تقسیم جناب رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔

(2) جسے زمین دی جائے اسے زمین کا مالک نہ بنایا جائے بلکہ اس کے منافع اور آمدنی حاصل کرنے کا اختیار نسلا بعد نسل دیا جائے۔ امام کو کسی شرعی وجہ کے بغیر جاگیر دار یا اس کے ورثا کو بے دخل نہیں کر سکتا۔ اگر وہ زمین کو معطل کر کے چھوڑ دیں یا زمین کا عشر و خراج ادا نہ کریں تو ان سے لیکر دوسروں کو دی جاسکتی ہے۔ اس صورت میں جاگیر دار اور اس کے ورثا کو بیع، ہبہ یا وقف کا اختیار نہیں ہوتا باقی تصرفات جن کا تعلق پیداوار سے ہے وہ سب جائز ہے۔

(3) نہ جاگیر دار کو زمین کا مالک بنایا جائے اور نہ نسلا بعد نسل منافع دیں۔ بلکہ تاحیات جاگیر دار کو منافع لینے کا اختیار دیا جائے۔ اس صورت میں جاگیر دار کے انتقال کے بعد یہ زمین اس سے واپس لی جائے گی۔

(4) جاگیر دار کو پیداوار سے منافع حاصل کرنے کی اجازت کسی محدود مدت کے بغیر دی جائے۔ اس صورت میں امام کو اختیار ہے کہ جب ضرورت یا مصلحت دیکھے اس کے قبضہ سے نکال لے۔

(5) زمین کی ملکیت اور اس کی پیداوار وغیرہ سے جاگیر دار کا کوئی تعلق نہ ہو بلکہ زمین کا عشر و خراج کا کچھ حصہ بیت المال کی بجائے کسی حقدار کو دے دیا جائے۔ جاگیر دار مصارف خراج میں سے ہو۔

(6) وہ اراضی بیت المال سے نہ ہو بلکہ اراضی مملوکہ سے متعلق ہو۔ اور احکام پانچویں صورت کی مانند ہوں گے۔ جاگیر دار کا مصارف خراج میں سے ہونا لازمی ہے۔

(7) جاگیر غیر آباد زمینوں (ارض موات) سے دی جائے۔ یہ جاگیر ہر شخص کو دی جاسکتی ہے۔ چاہے وہ مسلم ہو یا غیر مسلم ذمی، مصارف بیت المال میں شامل ہو یا نہ ہو۔ یہ جاگیر جس کو عطا کی جائے گی جب وہ اسے آباد کرے گا تو رقبہ زمین کا مالک و مختار ہو جائے گا۔ ہر قسم کے مالکانہ تصرفات اس کے لئے جائز ہوں گے۔[54]

(4) زمیندار اور کسان کے باہمی معاملہ کی جائز صورتیں:

اسلام کی نگاہ میں کسان اور زمین کے مابین جائز قانونی تعلق کی دو صورتیں ممکن ہیں:

(۱) معاہدہ باہمی

(۲) مزارعت

(۱) معاہدہ باہمی:

معاہدہ باہمی کی صورت میں کسان زمین کی کل پیداوار میں سے ایک طے شدہ حصہ زمیندار کو زمین کے کرائے کے طور پر دینے کا پابند ہوتا ہے۔ اس سے جو پیداوار بچ رہتی ہے 'وہ اس کی ملکیت بن جاتی ہے اور اس سے وہ اپنی اور اپنے

کنبے کی ضروریات پوری کرتا ہے۔یوں اسلامی نظام میں نہ صرف کسان کی آزادی ہر طرح سے محفوظ رہتی تھی بلکہ وہ زمین اور اس کی کاشت کے سلسلہ میں جو طریقہ مناسب سمجھتا اسے بھی اختیار کر سکتا تھا۔[55]

(۲)مزارعت:

زمیندار اور کسان فصل کی پیداوار کو تقسیم کرنے کا جو معاملہ طے کرتے ہیں وہ مزارعت کہلاتا ہے۔عربی زبان میں مخابرہ اور محاقلہ اس کے مترادفات میں سے ہیں۔امام شافعیؒ نے مزارعت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے:

واذااعطى الرجل الرجل ارضامزارعة بالنصف ،او الثلث،او الربع ،او اعطى نخلا ،او شجرامعاملة /بالنصف او اقل من ذلك ،او اكثر ---- واذا دفع الرجل الى الرجل ارضا بيضاءعلى ان يزرعها المدفوعة اليه، فمااخرج الله منها من شى فله منه جزء من الاجزاء،فهذه المحاقلة والمخابرة والمزارعة۔[56]

اور جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو آدھی یا تہائی یا چوتھائی پر زمین بطور مزارعت دے یا کھجور یا درخت دے اور آدھے یا اس سے کم یا زیادہ کا معاملہ کرے۔۔۔۔۔۔جب ایک شخص کسی دوسرے کو اپنی خالی زمین اس شرط پر دے کہ وہ زمین کو کاشت کرے گا پھر جو کچھ اس سے اللہ تعالی پیدا کرے گا اس میں سے اس کاشت کرنے والے کو ایک حصہ ملے گا تو اس معاملہ کا نام محاقلہ، مخابرہ یا مزارعۃ ہے۔

بعض احادیث مزارعت کے عدم جواز میں وارد ہوئی ہیں، جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مزارعت اسلام کے معاشی نظام میں جائز نہیں۔

حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ مُوسَى ، أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ ، عَنْ عَطَاءٍ ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ ، قَالَ : كَانُوا يَزْرَعُونَهَا بِالثُّلُثِ وَالرُّبُعِ وَالنِّصْفِ ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ كَانَتْ لَهُ أَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا أَوْ لِيَمْنَحْهَا ، فَإِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَلْيُمْسِكْ أَرْضَهُ[57]

صحابہ تہائی، چوتھائی یا نصف پر بٹائی کا معاملہ کیا کرتے تھے۔پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس زمین ہو تو اسے خود بوئے ورنہ دوسروں کو بخش دے۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتا تو اسے یوں ہی خالی چھوڑ دے۔

حدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ ، أَخْبَرَنَا الْأَوْزَاعِيُّ ، عَنْ أَبِي النَّجَاشِيِّ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ ، سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجِ بْنِ رَافِعٍ ،عَنْ عَمِّهِ ظُهَيْرِ بْنِ رَافِعٍ ،قَالَ ظُهَيْرٌ :لَقَدْ نَهَانَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَنْ أَمْرٍ كَانَ بِنَا رَافِقًا ، قُلْتُ : مَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ حَقٌّ ، قَالَ : دَعَانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ : مَا تَصْنَعُونَ بِمَحَاقِلِكُمْ ؟ قُلْتُ : نُؤَاجِرُهَا عَلَى الرُّبُعِ ، وَعَلَى الْأَوْسُقِ مِنَ التَّمْرِ وَالشَّعِيرِ ، قَالَ : لَا تَفْعَلُوا ، ازْرَعُوهَا أَوْ أَزْرِعُوهَا أَوْ أَمْسِكُوهَا . قَالَ رَافِعٌ : قُلْتُ : سَمْعًا وَطَاعَةً[58].

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک ایسے کام سے منع کیا تھا جس میں ہمارا (بظاہر ذاتی) فائدہ تھا۔اس پر میں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا وہ حق ہے۔ ظہیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلایا اور دریافت فرمایا کہ تم لوگ اپنے کھیتوں کا معاملہ کس طرح کرتے ہو؟ میں نے کہا کہ ہم اپنے کھیتوں کو(بونے کے لیے) نہر کے قریب کی زمین کی شرط پر دے دیتے ہیں۔ اسی طرح کھجور اور جو کے چند وسق پر۔ یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ یا خود اس میں کھیتی کیا کرو یا دوسروں سے کراؤ۔ ورنہ اسے یوں خالی ہی چھوڑ دو۔ رافع رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے کہا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان) میں نے سنا اور مان لیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے:

انَّ رسول اللهﷺ نهى عن المُحَاقَلَةِ والمزابنة والمخابرةِ[59]

نبی ﷺ نے زمین کو بٹائی پر دینے، پھل کی خشک کھجور سے بیع اور مخابرہ (غلط شرطوں کے ساتھ بٹائی پر دینے) سے منع فرمایا۔

ان روایات سے یہ بات ظاہری طور پر نظر آتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزارعت کو ناجائز فرمایا ہے۔اسی لئے کچھ صحابہ کرامؓ بھی جن میں نمایاں ترین شخصیت سیدنا ابوذر غفاریؓ کی ہے،زمینداری نظام کے مخالف تھے۔ان کے نزدیک زمین نقد لگان اور بٹائی پر دینا جائز نہیں ہے۔امام ابو حنیفہؒ بھی زمینداری کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ان کا موقف ہدایہ، کتاب الحجۃ اور کتاب الخراج سے واضح ہے کہ ایسا اجارہ مجہول اور فاسد ہے۔امام ابو حنیفہؒ کے علاوہ حماد، مجاہد، سالم، ابراہیم نخعی، عمرو بن دینار رحمھم اللہ نے مزارعت کو ناجائز قرار دیا ہے۔امام شافعیؒ لکھتے ہیں:

فان ابا حنيفة رضى الله عنه كان يقول :هذا كله باطل ؛لانه استاجره بشىء مجهول،يقول :ارأيت لو لم يخرج من ذلک شئ اليس كان عمله ذلک بغير اجر ؟وكان ابى ليلى يقول :ذلک كله جائز ۔[60]

ابو حنیفہؒ فرماتے تھے: یہ تمام باطل ہے کیونکہ وہ اسے ایک نامعلوم چیز کے بدلے کرایہ پر دیتا ہے، وہ کہے گا: بھلا بتاؤ تو سہی اگر اس میں سے کچھ نہیں نکلے گا تو کیا اس کا یہ عمل بلا معاوضہ ہو گا؟ اور ابی لیلی فرماتے ہیں کہ وہ تمام معاملہ جائز ہے۔

ان کے برعکس بعض روایات حدیث سے مزارعت کا جواز ثابت ہوتا ہے:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَجْلَى الْيَهُودَ ، وَالنَّصَارَى مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا ظَهَرَ عَلَى خَيْبَرَ أَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُودِ مِنْهَا ، وَكَانَتِ الْأَرْضُ حِينَ ظَهَرَ عَلَيْهَا لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِلْمُسْلِمِينَ ، وَأَرَادَ إِخْرَاجَ الْيَهُودِ مِنْهَا ، فَسَأَلَتْ الْيَهُودُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُقِرَّهُمْ بِهَا ، أَنْ يَكْفُوا عَمَلَهَا وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ ؟ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : نُقِرُّكُمْ بِهَا عَلَى ذَلِكَ مَا شِئْنَا ، فَقَرُّوا بِهَا حَتَّى أَجْلَاهُمْ عُمَرُ إِلَى تَيْمَاءَ، وَأَرِيحَاءَ[61]

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو سرزمین حجاز سے نکال دیا تھا اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پر فتح پائی تو آپ نے بھی یہودیوں کو وہاں سے نکالنا چاہا تھا۔ جب آپ کو وہاں فتح حاصل ہوئی تو اس کی زمین اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہو گئی تھی۔ آپ کا ارادہ یہودیوں کو وہاں سے باہر کرنے کا تھا، لیکن یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ ہمیں یہیں رہنے دیں۔ ہم (خیبر کی اراضی کا) سارا کام خود کریں گے اور اس کی پیداوار کا نصف حصہ لے لیں گے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا جب تک ہم چاہیں تمہیں اس شرط پر یہاں رہنے دیں گے۔ چنانچہ وہ لوگ وہیں رہے اور پھر عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں تیماء اور اریحاء کی طرف جلاوطن کر دیا۔

جب پیداوار کی تقسیم کا وقت آتا تو آپ ﷺ پیداوار کا اندازہ کرنے کے لئے عبداللہ بن رواحہ کو بھیجتے۔

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّهُ قَالَ: أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ خَيْبَرَ، فَأَقَرَّهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا كَانُوا، وَجَعَلَهَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهُمْ، فَبَعَثَ عَبْدَ اللهِ بْنَ رَوَاحَةَ فَخَرَصَهَا عَلَيْهِمْ [62]

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ نے اپنے رسول کو خیبر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے خیبر والوں کو ان کی جگہوں پر رہنے دیا جیسے وہ پہلے تھے اور خیبر کی زمین کو (آدھے آدھے کے اصول پر) انہیں بٹائی پر دے دیا اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو (تخمینہ لگا کر تقسیم کے لیے) بھیجا تو انہوں نے جا کر اندازہ کیا (اور اسی اندازے کا نصف ان سے لے لیا)۔

ایک اور حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ مزارعت کا جواز پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

ثُمَّ حُدِّثَ ،عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى كِرَاءِ الْمَزَارِعِ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى رَافِعٍ ، فَذَهَبْتُ مَعَهُ ،فَسَأَلَهُ فَقَالَ : نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ كِرَاءِ الْمَزَارِعِ،فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: قَدْ عَلِمْتَ أَنَّا كُنَّا نُكْرِي مَزَارِعَنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا عَلَى الْأَرْبِعَاءِ وَبِشَيْءٍ مِنَ التِّبْنِ[63] .

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتوں کو کرایہ پر دینے سے منع کیا تھا۔ (یہ سن کر) ابن عمر رضی اللہ عنہما رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتوں کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔ اس پر ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہم اپنے کھیتوں کو اس پیداوار کے بدل جو نالیوں پر ہو اور تھوڑی گھاس کے بدل دیا کرتے تھے۔

مدینہ میں پناہ حاصل کرنے والے مہاجرین بھی مزارعت کرتے تھے جیسا کہ امام بخاریؒ نے اس باب میں تصریح فرمائی ہے:

وَقَالَ قَيْسُ بْنُ مُسْلِمٍ عَنْ أَبِي جَعْفَرٍ قَالَ مَا بِالْمَدِينَةِ أَهْلُ بَيْتِ هِجْرَةٍ إِلاَّ يَزْرَعُونَ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ. وَزَارَعَ عَلِيٌّ وَسَعْدُ بْنُ مَالِكٍ وَعَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ وَعُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ وَالْقَاسِمُ وَعُرْوَةُ وَآلُ أَبِي بَكْرٍ وَآلُ عُمَرَ وَآلُ عَلِيٍّ وَابْنُ سِيرِينَ. وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الأَسْوَدِ كُنْتُ أُشَارِكُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ يَزِيدَ فِي الزَّرْعِ. وَعَامَلَ عُمَرُ النَّاسَ عَلَى إِنْ

جَاءَ عُمَرُ بِالْبَذْرِ مِنْ عِنْدِهِ فَلَهُ الشَّطْرُ وَإِنْ جَاءُوا بِالْبَذْرِ فَلَهُمْ كَذَا. وَقَالَ الْحَسَنُ لاَ بَأْسَ أَنْ تَكُونَ الأَرْضُ لأَحَدِهِمَا فَيُنْفِقَانِ جَمِيعًا فَمَا خَرَجَ فَهْوَ بَيْنَهُمَا وَرَأَى ذَلِكَ الزُّهْرِيُّ. وَقَالَ الْحَسَنُ لاَ بَأْسَ أَنْ يُجْتَنَى الْقُطْنُ عَلَى النِّصْفِ. وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ وَابْنُ سِيرِينَ وَعَطَاءٌ وَالْحَكَمُ وَالزُّهْرِيُّ وَقَتَادَةُ لاَ بَأْسَ أَنْ يُعْطِيَ الثَّوْبَ بِالثُّلُثِ أَوِ الرُّبُعِ وَنَحْوِهِ. وَقَالَ مَعْمَرٌ لاَ بَأْسَ أَنْ تَكُونَ الْمَاشِيَةُ عَلَى الثُّلُثِ وَالرُّبُعِ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى[64]

مدینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جو تہائی یا چوتھائی حصہ پر کاشتکاری نہ کرتا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سعد بن مالک اور عبداللہ بن مسعود، اور عمر بن عبدالعزیز اور قاسم اور عروہ اور حضرت ابو بکر کی اولاد اور حضرت عمر کی اولاد اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد اور ابن سیرین سب بٹائی پر کاشت کیا کرتے تھے۔ اور عبدالرحمٰن بن اسود نے کہا کہ میں عبدالرحمٰن بن یزید کے ساتھ کھیتی میں ساجھی رہا کرتا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کاشت کا معاملہ اس شرط پر طے کیا تھا کہ اگر بیج وہ خود (حضرت عمر رضی اللہ عنہ) مہیا کریں تو پیداوار کا آدھا حصہ لیں اور اگر تخم ان لوگوں کا ہو جو کام کریں گے تو پیداوار کے اتنے حصے کے وہ مالک ہوں۔ حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ زمین کسی ایک شخص کی ہو اور اس پر خرچ دونوں (مالک اور کاشتکار) مل کر کریں۔ پھر جو پیداوار ہو اسے دونوں بانٹ لیں۔ زہری رحمہ اللہ نے بھی یہی فتوی دیا تھا۔ اور حسن نے کہا کہ کپاس اگر آدھی (لینے کی شرط) پر چنی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابراہیم، ابن سیرین، عطاء، حکم، زہری اور قتادہ رحمہم اللہ نے کہا کہ (کپڑا بننے والوں کو) دھاگا اگر تہائی، چوتھائی یا اسی طرح کی شرکت پر دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ معمر نے کہا کہ اگر جانور ایک معین مدت کے لیے اس کی تہائی یا چوتھائی کمائی پر دیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

حضرت رافع بن خدیج نے مزارعت کے عدم جواز میں حدیث خلفائے راشدین کے زمانہ کے بعد پیش کی۔ صحیح بخاری اور مسلم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے کھیتوں کو نبی کریم ﷺ، ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنھم اور حضرت امیر معاویہؓ کے ابتدائی عہد خلافت میں کرایہ پر دیتے رہے۔ اسی طرح رافع بن خدیجؓ کو اجارہ سے

منع کرنے پر دلیل پیش کی کہ عہد نبوی ﷺ میں کھیتوں کو اس پیداوار کے بدلے میں جو نالیوں پر ہو اور تھوڑی گھاس کے بدلے اجارہ پر دیا کرتے تھے۔ اس خدشے کے پیش نظر کہ شاید نبی کریم ﷺ نے مزارعت کی ممانعت سے متعلق کوئی حدیث ارشاد فرمائی ہو جس کا انہیں علم نہ ہو احتیاطاً مزارعت سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ یہ کہنے کے باوجود کہ رافع نے ہم کو ہماری زمین سے محروم کر دیا ہے مزارعت کا معاملہ روک دیا۔ ورنہ وہ کسی حکم نبوی ﷺ کو سن کر ایسی شکایت زبان پر نہ لاتے۔

مزارعت کے موضوع پر تمام احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مزارعت سے مکمل طور پر منع نہیں دیا بلکہ اس کی چند صورتوں کو منع فرمایا ہے۔ جن کی طرف یہ احادیث رہنمائی کرتی ہیں:

مِمعَ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ ، قَالَ : كُنَّا أَكْثَرَ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مُزْدَرَعًا ، كُنَّا نُكْرِي الأَرْضَ بِالنَّاحِيَةِ مِنْهَا مُسَمًّى لِسَيِّدِ الأَرْضِ ، قَالَ : فَمِمَّا يُصَابُ ذَلِكَ وَتَسْلَمُ الأَرْضُ ، وَمِمَّا يُصَابُ الأَرْضُ وَيَسْلَمُ ذَلِكَ ، فَنُهِينَا وَأَمَّا الذَّهَبُ وَالْوَرِقُ فَلَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ[65]

رافع بن خدیج فرماتے ہیں: مدینہ میں ہمارے پاس کھیت دوسروں سے زیادہ تھے۔ ہم کھیتوں کو اس شرط کے ساتھ دوسروں کو جوتنے اور بونے کے لیے دیا کرتے تھے کہ کھیت کے ایک مقررہ حصے (کی پیداوار) مالک زمین لے گا۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ خاص اسی حصے کی پیداوار ماری جاتی اور سارا کھیت سلامت رہتا۔ اور بعض دفعہ سارے کھیت کی پیداوار ماری جاتی اور یہ خاص حصہ بچ جاتا۔ اس لیے ہمیں اس طرح کے معاملہ کرنے سے روک دیا گیا اور سونا اور چاندی کے بدلہ ٹھیکہ دینے کا تو اس وقت رواج ہی نہ تھا۔

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

عَنْ عَمْرٍو ، قَالَ :ذَكَرْتُهُ لِطَاوُسٍ ، فَقَالَ : يُزْرِعُ ، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا:إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَنْهَ عَنْهُ، وَلَكِنْ قَالَ: أَنْ يَمْنَحَ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ شَيْئًا مَعْلُومًا

انہوں نے کہا کہ (بٹائی وغیرہ پر) کاشت کرا سکتا ہے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہیں کیا تھا۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا کہ اپنے کسی بھائی کو زمین بخشش

کے طور پر دے دینا اس سے بہتر ہے کہ اس پر کوئی محصول لے۔(یہ اس صورت میں کہ زمیندار کے پاس فالتو زمین بیکار پڑی ہو)۔[66]

نبی اکرم ﷺ ،خلفائے راشدین اور خیر القرون کے دور تک مالکان زمین اپنی زمین مزارعت اور لگان پر دیتے اور اسے جائز سمجھتے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے زمین کو بٹائی پر دینے سے اس لئے منع فرمایا کہ مالکان زمین محتاج مزارعین کی مجبوری سے ناجائز فائدہ حاصل کرتے۔انہیں اپنی من مانی شرائط پر زمین دیتے جس سے مالک زمین کا فائدہ اور مزراع کا استحصال یقینی تھا۔ جیسے مالک زمین سیر اب شدہ اور زرخیز پیداوار کا حصہ اپنے لئے مختص کرلیتا۔ بعض مرتبہ کسان کو پیداوار کی ایک مقرر شدہ مقدار مالک زمین کو دینا پڑتی خواہ وہ پیداوار کم ہو یا زیادہ یا اسے اس مقررہ پیداوار کے علاوہ بھی ایک مقدار مالک زمین کو دینا پڑتی۔یہ بھی کاشتکار پر ظلم کی ایک صورت تھی جس سے منع کیا گیا۔مزارعت کے بعض معاملات میں مضارع کے لئے ضروری تھا کہ وہ جاگیر دار کے رسوم ورواج (بچوں کی شادی وغیرہ) کا خرچ برداشت کرے یا مال کی ایک مقررہ مقدار فراہم کرے۔

امام اَبویوسفؒ لکھتے ہیں:

فاحسن ما سمعنا فی ذلک والله اعلم ان ذلک کله جائزمستقیم صحیح ،وهو عندی بمنزلة مال المضاربة قد یدفع الرجل الی الرجل المال مضاربة بالنصف والثلث فیجوز وهذا مجهول لا یعلم ما مبلغ ربحه لیس فی اختلاف بین العلماء فیما علمت۔وکذلک الأرض عندی هی بمنزلة المضاربة :الأرض البیضاءمنها والنخل والشجر سواء ۔۔۔واما اصحابنامن اہل الحجاز فاجازوا ذلک علی ما ذکرت لک بما عامل علیه رسول الله اہل خیبر فی الثمر والزرع ولا اعلم احد ا من الفقہاء اختلف فی ذلک خلا ھٰؤلاءالرهط من اهل الکوفة الذین وصفت لک۔[67]

اس(مسئلہ) میں جو بات ہم نے سب سے بہتر سنی ہے اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ تمام (مزارعت) جائز،سیدھی اور صحیح ہے۔اور وہ میرے نزدیک مضاربت کے مال کی طرح ہے جہاں ایک شخص اپنا مال دوسرے شخص کو نصف اور تہائی نفع پر مضاربت کے طریقہ پر دیتا ہے۔پس وہ جائز ہے اور یہ (نفع) نامعلوم ہے۔وہ نہیں جانتا کہ نفع کی رقم کیا ہے؟ جہاں تک مجھے معلوم ہے اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف نہیں ہے۔اور اسی طرح زمین میرے نزدیک مضاربت کی مانند ہے: اس میں خالی زمین اور کھجور اور درخت برابر ہیں۔۔۔اور جہاں تک فقہائے

حجاز کا تعلق ہے تو انہوں نے اسے جائز قرار دیا ہے، جس کا اوپر میں نے آپ کے لئے ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح خیبر والوں کے ساتھ پھل اور کھیتی کا معاملہ کیا اور میں فقہاء میں سے کسی ایک کو نہیں جانتا جس نے اس میں اختلاف کیا ہو سوائے کوفہ والوں کے جو میں نے آپ سے بیان کیا۔

فقہ حنفی میں مزارعت کے جواز کا فتوی صاحبین کے قول پر ہے، عبدالرحمٰن الجزیری لکھتے ہیں:

وابو یوسف و محمد یقولان بجوازه وقولهم هو المفتى به في المذاهب لان فيه توسعة على الناس ومصلحة لهم[68]

مزارعت کے درست ہونے کی درج ذیل شرائط ہیں:

1۔ زمین کا قابل زراعت ہونا

2۔ زمیندار اور کسان کا عاقل و بالغ ہونا

3۔ مدت زراعت کا بیان کرنا

4۔ بیج زمیندار کا ہوگا یا کسان کا

5۔ کاشت کی جنس بیان کر دینا مثلاً گندم یا جو

6۔ کسان کے حصہ کا ذکر ہو جانا کہ کل پیداوار میں کس قدر ہوگا۔

7۔ زمین کو خالی کر کے کسان کے حوالے کرنا

8۔ زمین کی پیداوار میں کسان اور مالک کا شریک رہنا

9۔ زمین اور تخم ایک شخص کا ہونا اور بیل اور محنت وغیرہ امور دوسرے کے ہونے یا ایک کی فقط زمین اور باقی چیزیں دوسرے سے متعلق ہوں۔

اگر ان شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو گی تو مزارعت فاسد ہو جائے گی۔[69]

مزارعت کی تمام جائز صورتوں میں یہ ضروری ہے کہ زمین زراعت کے قابل ہو۔ اس کا رقبہ متعین اور خود زمین اور اس کا محل وقوع معلوم ہو اور کاشتکار کے لئے اس پر بلا روک ٹوک محنت کرنا ممکن ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مزارعت کا معاملہ ایک متعین مدت کے لئے کیا جائے جو کم از کم اتنی طویل ہو کہ ایک فصل تیار کر کے کاٹی جا سکے اور اتنی طویل نہ ہو کہ اس عرصہ میں کسی ایک فریق کی زندگی کا عرصہ ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ البتہ اگر یہ معاملہ ہر فصل کے لئے الگ الگ کیا جاتا ہے تو مدت کے تعین کے بغیر بھی معاملہ کیا جا سکتا ہے۔[70]

مزارعت کے سلسلہ میں ایک بات طے ہے کہ ایسی مزارعت جس میں ظلم کا کوئی پہلو نکلتا ہو اسلام میں جائز نہیں ہے۔ عصر حاضر میں بعض اسلامی ممالک میں جو جاگیرداری نظام قائم ہے وہ بھی اسلام کے اصولوں کے مطابق نہیں

ہے۔اس نظام میں جو جبر واستبداد،آمریت اور حقوق کو غصب کرنا ہے ،اسلام اس کی قطعا اجازت نہیں دیتا۔زمیندار نہ تو جبری بیگار لے سکتا ہے اور نہ ہی آمرانہ اختیارات اور مراعات کے ذریعے کاشتکار کو حقوق سے خالی فرائض کا پابند بنا سکتا ہے۔اسلام مساوات کا دین ہے لہذا اس معاملہ میں اسلام جاگیر دار اور مزارع کے تعلقات کو ایک جیسی آزادی،ایک جیسے حقوق وفرائض اور یکساں مراعات کی بنیاد پر استوار کرتا ہے۔نیز یہ تعلقات کچھ لو اور کچھ دو کے اُصول پر قائم ہیں۔

کاشتکار زمین کے انتخاب کے سلسلہ میں آزاد ہے وہ جس زمین کو اختیار اور جس زمیندار سے معاملہ کرنا چاہے کر سکتا ہے۔وہ کسی دباؤ یا خوف کے تحت معاملہ کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔اگر معاہدہ اس کے حق میں بہتر نہ ہو تو اسے ختم کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے۔معاہدہ ختم کرنے پر کاشتکار کو کسی انتقامی کاروائی کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔زمیندار اور کاشتکار قانونی طور پر اور پیداوار کے حصول میں برابر کے شریک ہیں۔قانونی طور پر جاگیر دار اور کاشتکار الہامی قوانین کے پابند ہیں۔اسلامی ریاست کے قاضیوں نے زمیندار اور جاگیر داروں کے مقابلے میں غریبوں اور مزدوروں کے حق میں فیصلے کیئے۔حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے بنی امیہ کے امراء اور شاہی خاندان کے افراد سے وہ تمام جاگیریں واپس لے لی تھیں جو انہوں نے غیر مسلموں کی زمینیں آپس میں تقسیم کر لی تھیں۔اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت ظلم کی بنیاد پر تقسیم ہونے والی زمین کو واپس لینے کی مجاز ہے۔

1۔ لیکچرر گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میانوالی

[2]Elizabeth A.R.Brown,Feudalism:social system:https://www.britannica.com/topic/feudalismaccessed on dated 15/09/2020at 4:00pm.

[3]www.merriam-webster.com/dictionary/feudalism#learn-more accessed on dated 15/09/2020at 7:00pm.

[4]www.learnersdictionary.com/definition/feudalism accessed on dated 15/09/2020at 7:00pm.

[5]https://www.britannica.com/topic/Middle Agesaccessed on dated 15/09/2020at 5:00pm.

[6]S.H.Steinberg & others,A New Dictinory of British History(London,Edward Arnold ,1963)P:130

[7]Herbert Heaton,Economic History of Europe(New York:Harper&Brothers,1948)P:83

[8]Herbert Heaton,Economic History of Europe(New York:Harper&Brothers,1948)P:95

[9]Herbert Heaton,Economic History of Europe(New York:Harper&Brothers,1948)P:95

[10]Herbert Heaton,Economic History of Europe(New York:Harper&Brothers,1948)P:95

[11]https://www.merriam-webster.com/dictionary/bordar accessed on dated 18/09/2020 at 11:00 am.

[12]https://www.merriam-webster.com/dictionary/cotters accessed on dated 18/09/2020 at 11:30 am.

[13]https://www.merriam-webster.com/dictionary/villeins accessed on dated 18/09/2020 at 12:04 pm.

[14]Herbert Heaton,Economic History of Europe(New York:Harper&Brothers,1948)P:95

[15]S.H.Steinberg & others,A New Dictinory of British History(London,Edward Arnold ,1963)P:130,131

[16]سید ابوالاعلی مودودی،اسلام اور جدید معاشی نظریات (لاہور:اسلامک پبلیکیشنز،2001)ص: 9,8

[17]محمد قطب،اسلام اور جدید ذہن کے شبہات(لاہور:البدر پبلیکیشنز،1993ء)ص:112,113

[18]مفتی محمد تقی عثمانی،اسلام اور سیاسی نظریات(کراچی،مکتبہ معارف القرآن،2010)ص:64,66,67,68

[19]ڈاکٹر علامہ محمد اقبال،بال جبریل(لاہور: الفیصل ناشران،2000ء)ص: 100

[20]ڈاکٹر علامہ محمد اقبال،بانگ درا(لاہور: الفیصل ناشران،2000ء)ص: 145

[21]ڈاکٹر علامہ محمد اقبال،ضرب کلیم(لاہور: الفیصل ناشران،2000ء)ص: 127،128

[22]ڈاکٹر علامہ محمد اقبال،بال جبریل(لاہور: الفیصل ناشران،2000ء)ص: 91

[23]سید ابوالاعلی مودودی،اسلام اور جدید معاشی نظریات (لاہور:اسلامک پبلیکیشنز،2001)ص: 10

[24]ڈاکٹر منور حسین چیمہ،اسلام اور جدید اقتصادی نظریات (گکھڑ،اسلامک اکیڈمی،2008ء)ص:125

[25]ڈاکٹر منور حسین چیمہ،اسلام اور جدید اقتصادی نظریات (گکھڑ،اسلامک اکیڈمی،2008ء)ص:126,125

[26]ڈاکٹر منور حسین چیمہ،اسلام اور جدید اقتصادی نظریات (گکھڑ،اسلامک اکیڈمی،2008ء)ص:126

[27]ڈاکٹر منور حسین چیمہ،اسلام اور جدید اقتصادی نظریات (گکھڑ،اسلامک اکیڈمی،2008ء)ص: 126

[28]مائیکل ھارٹ،مترجم محمد عاصم بٹ،سو عظیم آدمی(لاہور، تخلیقات،2006ء)ص:130,131

[29]سید ابوالاعلی مودودی،اسلام اور جدید معاشی نظریات (لاہور:اسلامک پبلیکیشنز،2001)ص: 11

[30]ڈاکٹر کیلس انگرام،مترجم مولوی رشید احمد،تاریخ معاشیات(حیدر آباد دکن: جامعہ عثمانیہ،1932ء)ص:36

[31]ڈاکٹر کیلس انگرام،مترجم مولوی رشید احمد،تاریخ معاشیات(حیدر آباد دکن: جامعہ عثمانیہ،1932ء)ص:43

[32]ڈاکٹر کیلس انگرام،مترجم مولوی رشید احمد،تاریخ معاشیات(حیدر آباد دکن: جامعہ عثمانیہ،1932ء)ص:36،37

[33]سید ابوالاعلی مودودی،اسلام اور جدید معاشی نظریات (لاہور:اسلامک پبلیکیشنز،2001)ص:۹

[34]شمس الحق افغانی۔سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ(کوہاٹ:ادارۃ البحوث والدعوۃ الاسلامیہ،1983ء)ص:38،39

[35]مولانا گوہر رحمٰن،اسلامی سیاست(لاہور،المنار بک سنٹر،1995ء)ص:73

[36]قاضی سید محمد سلیمان سلمان منصور پوری،رحمت للعالمین(لاہور،الفیصل ناشران وتاجران کتب،1991) ج:2،ص:212

[37]التوبۃ 34:9

[38]مولانا گوہر رحمٰن، اسلامی سیاست (لاہور، المنار بک سنٹر، 1995ء) ص:74

[39]مفتی محمد تقی عثمانی، اسلام اور سیاسی نظریات (کراچی، مکتبہ معارف القرآن، 2010) ص:68

[40]- الزمر 62:39

[41]- الواقعہ63،64:56

[42]مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی (کراچی: دارالاشاعت، 1979ء) ص:19-37

[43]محمد قطب، مترجم محمد سلیم کیانی، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (لاہور: البدر پبلیکیشنز، 1993ء) ص:115،116

[44]محمد قطب، مترجم محمد سلیم کیانی، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (لاہور: البدر پبلیکیشنز، 1993ء) ص:113،114

[45]ڈاکٹر نور محمد غفاری۔ اسلام کا معاشی نظام (لاہور، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، 1994) ص:109

[46]سليمان بن الاشعث سجستانى،سننأبى داؤد كتاب الخراج ،باب ما جاء فى حكم ارض خيبر(دمشق: دار الرسالة العالمية،2009ء) ج:4،ص:623-627۔رقم:3008-3014

[47]سليمان بن الاشعث سجستانى،سننأبى داؤد كتاب الخراج ،باب ما جاء فى حكم ارض خيبر(دمشق: دار الرسالة العالمية،2009ء) ج:4 ،ص:627۔رقم:3014

[48]سليمان بن الاشعث سجستانى،سننأبى داؤد، كتاب الخراج ،باب فى اقطاع الارضين(دمشق: دار الرسالة العالمية،2009ء) ج:4 ، ص:663،رقم:3058

[49]شبلی نعمانی، الفاروق (لاہور: مکتبہ عالیہ، 1972) ص:209

[50]محمد بن اسماعيل،صحيح البخارى،كتاب ما جاءفى الحروث والمزارعة ،باب من احيارضا مواتا(القاهرة:دارالتاصيل ،2012ء) ج:3،ص:314،رقم :2346

[51]شبلی نعمانی، الفاروق (لاہور: مکتبہ عالیہ، 1972) ص:218،217

[52]الدكتور وهبه الزحيلى الفقه الاسلامى وادلته (دمشق:دارالفكر ،1985م) ج:5،ص:575

[53]چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ (لاہور: علمی کتب خانہ 1976ء) ص:814،815

[54]مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی (کراچی: دارالاشاعت، 1979ء) ص:25-31

[55]محمد قطب، مترجم محمد سلیم کیانی، اسلام اور جدید ذہن کے شبہات (لاہور: البدر پبلیکیشنز، 1993ء) ص:116

[56]امام محمد بن ادریس شافعی، کتاب الام (مصر: دارالوفا، 2001ء) ج:8، ص:254،253

[57]محمد بن اسماعيل،صحيح البخارى،كتاب ما جاءفى الحروث والمزارعة،باب(القاهرة:دارالتاصيل ،2012ء) ج:3،ص:317 ،رقم :2351

[58]محمد بن اسماعيل،صحيح البخارى،كتاب ما جاءفى الحروث والمزارعة ،باب من احيارضا مواتا(القاهرة:دارالتاصيل ،2012ء) ج:3،ص:316،رقم:2350

[59]مسلم بن الحجاج ،صحيح مسلم ،كتاب البيوع،باب النهى عن المحاقلة والمزابنة وعن المخابرة(القاهرة:دارالتاصيل ،2014ء) ج:4،ص:221،222رقم :3991

[60]امام محمد بن ادریس شافعی، کتاب الام (مصر: دارالوفا، 2001ء) ج:8، ص:253

[61]احمد بن اسماعيل،صحيح البخارى،كتاب ما جاءفى الحروث والمزارعة ،باب اذا قال رب الارض(القاهرة:دارالتاصيل ،2012ء) ج:3،ص:315،رقم:2349

[62]سلیمان بن الاشعث سجستانی،سننأبی داؤد کتاب البیوع ،باب فی الخرص(دمشق: دار الرسالة العالمیة،2009ء)ج:4 ،ص:289۔رقم:3414

[63]احمد بن اسماعیل،صحیح البخاری،کتاب ما جاءفی الحروث والمزارعة ،باب ما کان من اصحاب النبی یواسی۔(القاهرة:دارالتاصیل ،2012ء)ج:3،ص:317،رقم:2355

[64]احمد بن اسماعیل،صحیح البخاری،کتاب ما جاءفی الحروث والمزارعة ،باب المزارعة بالشطر ونحوه(القاهرة:دارالتاصیل ،2012ء)ج:3،ص:307،308،رقم باب :8

[65]احمد بن اسماعیل،صحیح البخاری،کتاب ما جاءفی الحروث والمزارعة ،باب رقم 7(القاهرة:دارالتاصیل ،2012ء)ج:3،ص:307،رقم :2338

[66]احمد بن اسماعیل،صحیح البخاری،کتاب ما جاءفی الحروث والمزارعة ،باب ما کان من اصحاب النبی ۔۔(القاهرة:دارالتاصیل ،2012ء)ج:3،ص:317،رقم :2353

[67]یعقوب بن ابراہیم،ابی یوسف،کتاب الخراج(بیروت۔لبنان:دارالمعرفہ،1979ء)ص:88،89

[68]عبدالرحمان الجزیری،کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ(بیروت،لبنان:دارالکتب العلمیہ،2003ء)ج:3،ص:6

[69]مولانااشرف علی تھانوی،بہشتی زیور(کراچی:تاج کمپنی لمیٹڈ،س ن)گیارہواں حصہ،ص:113

[70]عبدالرحمان الجزیری،کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ(بیروت،لبنان:دارالکتب العلمیہ،2003ء)ج:3،ص:11،10

امور سیاسیہ اور اُسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

Political Affairsand Modelof Excellence HazratMuhammad SAW

ڈاکٹر فرحت عزیز، ڈاکٹر خاور سلطانہ[1]

Abstract

The life of Hazrat Muhammad SAW gives eternal light to mankind in every Walk of life. This article reflcts different aspects of successful political life of ofHazrat Muhammad (SAW).Hazrat Muhammad (SAW) established the foundation of Madinah as an islamic state. In this islamic state only sovereignty holder is Allah Almighty and all powers only belongs to Him.He is the source of all legislation in the form of Quran. Man is Allah s caliph on earth.Anotherexamplarytriats of Him (SAW) includes open consulatation (Shura). The Quran and the prophet (SAW) encouraged Muslims to decide their affairs in consultation with these who will be affected by the decision.The third principle of islamic state was Justice. He (SAW) proved that islamicinjuctions strengthen the right of Muslims as well as non muslims.punishment is also declared in islamic law for prevention of any violation. The purpose of islamic state was enforcement of Divine law. Human rights have been granted by Allah Almighty.They are The right of life, to live in diginity, to equal protection of law, the right of Choice, privacy and basic necessities of life. Integrity, honesty and trust are key Islamic values taught and practised by Prophet Muhammad (SAW). He (SAW) also practised delegation of power. the objective of leadership lies in His message to invite humans to the ways of Islam. All leaders should exemplify the positive values of Holy Prophet (SAW) and fulfill their responsibility to serve the people.

[1]۔ ایسوسی ایٹ پروفیسرز، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک سٹڈیز لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور

اسلام نے سیاسی زندگی کی ترتیب و تمدن اور تعمیر و اصلاح کے لیے جو معاشرتی ادارے قائم کیے ہیں ان میں سے ایک سیاسی ادارہ ریاست بھی ہے۔ انسانی زندگی میں رہنمائی کے لیے وحی الٰہی کو سند کیا گیا اور سب سے آخری اور جامع وحی قرآن کریم کی صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

"ان الدین عند اللہ الا اسلام"۔1 بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے۔

اور اسلامی اجتماعیت قائم رکھنے کے لیے اسلامی حکومت کے وجود کا ہونا لازم و ملزوم ہے۔ اس بات پر گویا امت کا اجماع بھی ہے۔ اس اجماع کے تحت اسلامی معاشرے کے افراد کو مل کر بھی یہ اختیار حاصل نہیں ہوتا کہ وہ ریاست کے ادارے کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ اسی لیے امام الماوردی نے اسلامی ریاست میں امام کے مقرر ہونے کو ضروری قرار دیا ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ

"الأسلام و السلطان اخوان لو امان"۔2

یعنی اسلام، حکومت اور سلطنت توام بھائی ہیں اور ریاست اصل میں ریاست اور اس سے متعلقہ امور کا نام ہے۔ اسلامی ریاست میں معاشرتی نظم و ضبط کی ذمہ داری چونکہ ریاست کے قائد اعلیٰ پر عائد ہوتی ہے۔ اس لیے ریاست کی ہیت ترکیبی خاندان اور مذہبی ادارے سے قدرے مختلف ہوتی ہے ریاست زمین کے کسی بھی خطے پر رہنے والے افراد کے مختلف گروہوں کے باہمی تعلقات کو منضبط اور ان کے مفادات و مقاصد کو ہم آہنگ کرنے کا نام ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے قائد اعلیٰ کی حیثیت سے اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی اور سیاسی نظام کے اسلامی ہونے پر بہت توجہ مبذول کی یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ریاست کی اصلاح و انقلاب کے حوالہ سے اسے ایک نیا رنگ دیا جو کہ وحی الٰہی کی ہدایت پر مشتمل ہے اس مقالہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی کے اصولوں کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ موجودہ حکمران ان اصولوں سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داریوں کو نہ صرف محسوس کریں بلکہ اپنے عمل بھی وحی الٰہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے حاصل کردہ ہدایات کو اسلامی ریاست میں نافذ کریں۔ ویسے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بے شمار رہنما اصول ہیں تاہم اس مقالہ میں چند بنیادی اصولوں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔

حاکمیت الٰہی:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی کے مطابق حاکم و محکوم کی تفریق غلط ہے۔ حاکم صرف اللہ کی ذات ہے۔ اور انسان اس کا انتظامی نائب ہے یعنی خلیفہ ہے۔ لٰہذا خلیفہ مالک نہیں بلکہ منتظم ہے۔ اسے خود بھی اسلامی احکام کو نافذ

کرنا چاہیے۔اور معصیت خداوندی سے اجتناب کرنا چاہیے۔اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرنی چاہیے۔جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔

"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ "۔3 حکم صرف اللہ کا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے کہ۔

" فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ"4 توحکم صرف اللہ ہی کا ہے جو(سب سے اوپر)اور(سب سے) بڑا ہے۔

ایک آیت قرآنی میں یوں بھی آتا ہے کہ۔

" أَلَا لَهُ الْحُكْمُ "5 سن لو کہ حکم اسی کا ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے کہ۔

مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ۔6 ملک کا مالک تو جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے۔

اسلامی نظام سیاست میں خلیفہ یعنی حکمران کو اگرچہ مرکزی حیثیت حاصل ہے لیکن اس کا یہ مرکزی مقام اختیارات کے ارتکاز کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک قوت نافذہ کے طور پر ہے۔اس کا بنیادی فرض ہے کہ وہ احکام الٰہی کو نافذ کرے اسلام کے خلاف امور کو روکے اسلامی نظریہ حیات کے تحفظ کے لیے کوشاں رہے۔نظام صلوۃ وزکوۃ قائم کرے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا اطلاق کرے۔قرآن نے خلیفہ کی اس حیثیت کا تعین کرتے ہوئے فرمایا کہ۔

"الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ "۔7 یہ (اہل ایمان لوگ وہ ہیں) کہ اگر ہم ان کو اس زمین میں اقتدار عطا کریں گے تو وہ نماز کا اہتمام کریں گے،زکوۃ ادا کریں گے،بھلائی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

گویا خلیفہ کے لیے احکام الٰہی کے نفاذ کی ذمہ داری اتنی اہم ہے۔اسلام نے اس کے لیے باقاعدہ سمع وطاعت کا ایک مکمل نظام قائم کردیا

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"ما منْ امّیّ ولِیّ عن امرالناس نسیألم یحفظهم بما حفظ به نفسه واهله إلالم یجد رائحه الجنة "8 کہ میری امت کا جو شخص لوگوں کے معاملات میں سے کسی امر کا والی بنا پھر

اس نے ان لوگوں کو ان امور سے نہ بچایا جن سے اپنے آپ کی اور اپنے اہل وعیال کی حفاظت کرتا ہے تو وہ جنت کی ہوا بھی نہیں پائے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے تمام باشندوں کی اس بات کا پابند کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے خلیفہ یا امیر کی اطاعت کریں۔ خلیفہ کی اطاعت کو اللہ اس کے رسول کی اطاعت کی کی طرح فرض کر دیا گیا۔ لیکن فرق یہ رکھا گیا امیر کی اطاعت اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماتحتی میں ہو گی۔ اور معصیت الٰہی میں خلیفہ کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ جیسا کہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

"لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق "9 خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔

اس لیے خلیفہ قائد وقت کی اصل حیثیت تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام وضوابط کو نافذ کرنے کی ہے۔ تمام افراد معاشرہ پر اس کی اطاعت فرض ہو گی، چاہے افراد معاشرہ کے ذاتی افکار و طبیعتیں مائل ہوں یا نہ ہوں۔ اور قائد وقت اگر قرآن وسنت کے مخالف حکم دے تو اس کی اطاعت ساقط ہو جائے گی۔ ایک اور جگہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

> "السمع والطاعة علی المرء المسلم فیما احب و کره مالم یو مربمعیصة فإ ذا امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة "۔10 مسلمان مرد کو (امام کا حکم) سننا اور اس کی اطاعت کرنا لازم ہے جب تک کہ اس کو گناہ کا حکم نہ کیا جائے تو نہ سننا چاہیے اور نہ ہی اطاعت کرنی چاہیے۔

اور اگر وہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ نائب کے اختیارات اور ذمہ داریوں کہ حدود سے تجاوز نہ کرے تو قرآن میں اس کی اطاعت کی تائید عام ہے۔

> "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ "۔11 اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی بھی اطاعت کرو جو ان میں سے صاحب (امر) اختیار والے ہوں۔

اس قدر تاکید کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ امیر کی اطاعت کا تذکرہ کیا ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیر کی اطاعت کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت قرار دیا ہے۔ فرمایا:

"من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله ومن اطاع أميری فقد اطاعنیومن عصی أ ميری فقد عصانی"۔12 جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے یقیناً اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی فرمانبرداری کی اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے میرے امیر کی نافرمانی کی اس نے یقیناً میری نافرمانی کی۔

عن أنس بن مالك ﷺ قال رسول الله -ﷺ اسمعوا وأطيعوا،وإن استعمل عليكم عبد حبشي، كأن رأسه زبيبة13 انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام ہی کو حاکم مقرر کر دیا جائے، جس کا سر کشمش کی طرح (چھوٹا سا) ہو۔"

اسلام نے سیاسی حکمرانی کے جو اصول دیے ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ حاکم کی اطاعت مطلقاً نہیں ہے بلکہ یہ اطاعت اس وقت محدود ہو جاتی ہے جب کوئی ناجائز طریقے سے حکمران بن بیٹھے۔ تو اسلام اس قائد کی اطاعت ضروری قرار نہیں دیتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی سے نظام حکمرانی کے لیے کوئی طے شدہ معیار نہیں ملتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائد وقت تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جانشینی کے لیے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ علالت کے دوران صرف امامت کی ذمہ داری حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سونپی تھی۔ اس کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم و تربیت کی روشنی میں تیار شدہ لوگوں کو روح اسلام سے متعلق سیاسی حکمرانی قائم کرنے کا خوب فہم و ادراک تھا۔

وصال نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کے مسئلہ پر بحث جاری تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا۔ اور اس حوالے سے گیارہ صحابہ سے مشورے کیے۔ اس کے ساتھ ساتھ وصیت لکھوائی جسے مجمع عام میں مسجد نبوی میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اور لوگوں نے بالاتفاق اصرار کیا کہ وہ حضرت عمر کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔14

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے آخری ایام میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے ان سے جانشینی کی درخواست کی تو انہوں نے ایک چھ رکنی کمیٹی تشکیل دے دی۔ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت سعد رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ سبھی حضرات کی خدمات برائے دین اسلام مسلمہ تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان چھ افراد میں سے

جس کی خلافت پر کثرت رائے سے اتفاق ہو جائے اسے امیر بنانا اور اس کے بعد اگر کوئی خلافت کا دعویٰ کرے تو اسے قتل کر دینا۔ ان میں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام پر اتفاق ہوا اور وہ خلیفہ بنے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور درخواست کی کہ وہ مسند خلافت پر متمکن ہوں۔ انہوں نے انکار فرمایا اور کہا کہ یہ تم لوگوں کا کام نہیں بلکہ یہ تو اہل شوریٰ کا کام ہے۔ بہر حال کچھ دیر کے بعد وہ مسجد میں تشریف لے گئے۔ وہاں مجمع میں عام مسلمانوں نے اپنا خلیفہ تسلیم کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔

یہ صدر اسلام کے خلفاء کا تصور قائد اور حکمرانی تھا، وہ بلا شُبہ اقتدار کو اللہ کی طرف سے مقدس سمجھتے تھے۔ اور خود کو تمام انسان اور مسلمانوں کے امور کا نگہبان جانتے تھے۔ اگر رائج الوقت سیاسی نظام کا اسلام کے سیاسی نظام سے جائزہ لیا جائے تو عامۃالناس سیاست اور مذہب جیسے الفاظ کے فرق کا شعور برائے نام ہی رکھتے ہیں۔ اسی سیاسی نظام کی سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ سیاسی قائدین صرف پارٹی کا مفاد مقدم رکھتے ہیں اس کے لیے وہ غلط امور پر بھی ساتھ دیتے ہیں مثلاً پارٹی کے انتخابات میں جیتنے کے لیے اشتہارات پر بے جا پیسے کا استعمال ہوتا ہے۔ اور جو پارٹی جیتتی ہے وہ ملکی خزانہ سے بے شمار روپیہ لوٹ لیتی ہے۔ تاکہ آئندہ انتخابات میں اس پارٹی کی حیثیت اور ساکھ قائم رہے۔ جب کہ قائد اعلیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق مجلس شوریٰ کے ارکان کو دین کا فہم رکھنے کے ساتھ ساتھ صاحب بصیرت ہونا بھی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ عوام الناس میں بھی دین الٰہی کی ترویج کے لیے اقدامات کرنے ضروری ہیں۔ تاکہ وہ اپنا حق رائے دہی استعمال کرتے وقت قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے ووٹ کا صحیح استعمال کر سکیں اور قابل مذہبی بصیرت رکھنے والے قائدین کا انتخاب ممکن بنا سکیں، جو اسلامی تعلیمات کو نافذ کر سکیں۔ اور عوام الناس میں بھی مذہبی شعور و بیداری کو قائم کرنے کے لیے اقدامات کر سکیں۔

نظام شوریٰ:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نظام سیاست سے دوسری اہم چیز جو سامنے آتی ہے وہ اسلامی ریاست میں شوریٰ کا نظام ہے۔ یہاں کسی قائد یا امیر کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ اپنی مرضی اور خواہش سے احکام نافذ کر سکے۔ اسے احکام خداوندی کی پیروی کرنا ہوگی اور اجتہاد واستنباط سے مسائل کا حل اور اس کے نفاذ میں اسے مقتدر اور ذمہ دار افراد سے مشورہ کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

" وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ "۔15 اور ان کا کام آپس میں مشورہ سے ہوتا ہے

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ " ۔16اور معاملات میں ان سے مشورہ لے۔ پھر جب پختہ ارادہ کرے تو اللہ پر ہی بھروسہ کرو۔ اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی کے تمام امور میں شوریٰ کو بہت اہمیت دی ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے مدینہ تشریف لائے اور اسلامی سلطنت کی تشکیل وتاسیس فرمائی اور مسجد نبوی کا قیام عمل میں آیا، تو یہ امر بھی زیر بحث آیا کہ مسلمانوں کو نماز کے لیے کیسے بلایا جائے چنانچہ شوریٰ کا انعقاد عمل میں آیا۔ اور مجلس مشاورت کے ذریعے لوگوں کو حی علی الفلاح، کا پیغام پہنچانا طے پایا۔ اور نماز کے اجتماع کے لیے اذان کا حکم دیا جاتا۔ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے سال پیش آیا۔

اسی طرح ہجرت میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی کے ہر شعبہ میں شوریٰ کو بہت اہمیت دی۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :

اجمعوا له العابدين من المؤمنين واجعلوه شورى بينكم ولا تقضو افيه برأ ى واحد 17 میری امت کے عابد لوگوں کو جمع کر کے باہمی مشورہ کرو اور کس ایک رائے پر اظہار نہ کرو۔

تاہم اسلامی نظام سیاست میں شوریٰ کی بہت زیادہ اہمیت کے باوجود شوریٰ کی حدود بھی متعین ہیں۔ اسلامی شوریٰ کا دائرہ اختیار انہی امور تک ہے۔ جن کے بارے میں کتاب وسنت کا صریح اور واضح احکام موجود نہ ہو اور شوریٰ کتاب وسنت کے عمومی اصولوں کی روشنی میں پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرے۔

اسلام میں ایسا شخص جو عہدہ کا طالب ہو یا درخواست کرے تو نااہل ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

"أن لا تولى هذا من ساله ولا من حرص عليه"۔18 ہم اس کو حاکم نہیں مانتے جو خود حکومت کی درخواست کرے یا اس کی لالچ کرے۔

امت مسلمہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ نظام مشورہ کے ذریعے عام انسانوں سے اور مجلس شوریٰ میں خصوصاً کسی قائد کا انتخاب کر سکتی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے سر براہ پر اپنے منصب کے لحاظ سے دوہری نیابت کے فرائض ادا کرنے لازم ہیں۔ وہ ایک طرف احکام الٰہیہ کے مطابق عملاً نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے تو دوسری طرف وہ مقتدر اعلیٰ کے حقیقی نائبین یا خلفاء کا منتخب نمائندہ ہونے کی حیثیت سے ان کا بھی نائب ہے۔ اس دوہری نیابت کے معنی یہ ہیں۔ کہ سر براہ حکومت ایک طرف خدا کے سامنے اور دوسری طرف خدا کے بندوں کے سامنے جوابدہ ہے۔ اس کی یہ حیثیت اس کے اپنے ارادہ اختیار کا دائرہ محدود کر دیتی ہے۔

دور جدید میں بھی متعدد مفکرین و مصلحین نے اسلامی سیاسی نظام کو موضوع بحث بناتے ہوئے شوریٰ کے نظام کو اہل حل و عقد اور اہل الاجماع کے ناموں سے بھی تعبیر کیا ہے۔ جن میں مشہور علامہ رشید، علامہ اقبال، علامہ اسد وغیرہ شامل ہیں۔ لہٰذا موجودہ دور میں شوریٰ کے نفاذ کو اہل قائدین کو منتخب کر کے کام کرنے کے مواقع دیے جاسکتے ہیں۔

عدل وانصاف:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیاسی نظام میں تیسرا اہم اصول عدل وانصاف ہے۔ کسی دشمنی کسی مفاد اور کسی خواہش کی وجہ سے اسے مجروح نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ درج ذیل آیات میں آتا ہے۔ کہ؛

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى "۔20 اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب ہے۔

إِنَّ اللهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۔21اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کو ادا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ؛

"إنما هلک من كان قبلكم أنهم كا نو ايقيمو ن الحد على الو ضع ويتركون على الشريف ۔ والذى نفسى بيده لو فاطمة (بنت محمد) فعلت ذلک لقطعت يدها"۔22 تم سے پہلے جو امتیں گذری ہیں وہ اس لیے تباہ ہوئیں کہ وہ لوگ کم درجہ کے مجرموں کو قانون کے مطابق سزا دیتے اور اونچے درجے والوں کو چھوڑ دیتے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کریں تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

اجتماعی عدل وانصاف کا قیام اسلامی ریاست میں قائد کی انتہائی ذمہ داری قرار دی گئی ہے۔ جو ریاست اجتماعی عدل کے قیام میں ناکام ہو جائے اس کو ایک فلاحی ریاست قرار نہیں دیا جا سکتا، ایسی صورت میں حکمران ہی ذمہ دار ہوں گے۔ اسلامی ریاست میں اجتماعی عدل وانصاف کی فراہمی اور کامیابی اصل میں حاکم اعلیٰ کی کامیابی ہے۔ نبی ﷺ نے جن سات آدمیوں کا تذکرہ کیا فرمایا کہ قیامات کے دن جب کوئی سایہ نہیں ہو گا توان کو اللہ تعالی کے عرش کے سائے میں جگہ نصیب ہو گی ان میں سے پہلے عادل حکمران ہیں۔23

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے قائد اعلیٰ ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو کبھی قانون سے بالاتر نہ سمجھا آپ نے کئی مواقع پر اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کیا۔ وفات سے قبل آپ ﷺ بیماری کی حالت میں مسجد میں تشریف لاتے اور فرماتے ہیں۔

"اے لوگو اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی کوئی درہ مارا ہے تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کبھی کسی کو برا بھلا کہا ہے تو میری آبرو حاضر ہے وہ اس سے انتقام لے سکتا ہے، اگر میں نے کسی کا مال چھینا ہے تو یہ میرا مال حاضر ہے وہ اس سے اپنا حق لے سکتا ہے۔ تم سے کوئی شخص یہ اندیشہ نہ کرے کہ اگر کسی نے مجھ سے انتقام لیا تو میں اس سے ناراض ہو جاوں گا میری یہ شان نہیں"

قائد اعلیٰ ﷺ کی متعدد احادیث میں عہدوں اور مناصب کو امانت قرار دیا گیا ہے اس کے ساتھ ساتھ ملکی قوانین میں بھی عدل اجتماعی کو قائم رکھنے کے لیے ضمانت دی گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرتی، معاشی اور سیاسی زندگیوں میں ہر کوئی عملی طور پر عدل اجتماعی کو ممکن بنانے کی کوشش کرے۔

قانون الٰہی کا نفاذ:

اسلامی حکومت کے خلیفہ یا قائدین کو قرآن وسنت کی پیروی کروانے کا اختیار حاصل ہے البتہ اس کے آزادی اختیار پر ایک اور قدغن اسلام نے یہ لگادی ہے کہ وہ قانون سازی نہیں کر سکتا یعنی یہ اختیار کہ وہ دستور الٰہی میں کسی ترمیم و اضافہ کی آزادی نہیں دیتا۔ انسانوں پر انسانوں کا بنایا ہوا کوئی ضابطہ اسلامی نقطہ نظر سے قابل قبول نہیں صرف قرآن وسنت کی صورت میں حقوق و فرائض کا جو ناقابل ترمیم و تنسیخ ضابطہ مالک حقیقی نے عطا فرمایا ہے سربراہ حکومت صرف اس کی اطاعت کرے اور عوام سے اطاعت کرانے کا اختیار رکھتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

> " اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ "۔25 اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے اس کی پیروی کرو اور دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو۔

یہ اصول اسلامی معاشرے میں قائدین کے دائرہ اختیار کو بہت محدود کر دیتا ہے۔اور اس کی پابندی کرنے کے لیے اتنا سخت حکم دیا کہ جو لوگ اس سے انحراف کریں گے ان کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ " ۔26 جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے تمام لوگ کافر ہیں۔

اسلام قانون سازی کے اختیار کو محدود کرنے کے ساتھ ساتھ تشریح قانون آزادی پر بھی پابندی عائد کرتا ہے۔ اسلامی قانون کی وضاحت کرتے ہوئے ذاتی مزاج و میلان کا لحاظ رکھنے۔ الفاظ کو الٹ پھیر کرنے، اپنی ذاتی خواہش کے مطابق تشریح کا انداز اپنانے اور تاویل و تحریف کے ذریعے نئی تعریفات و معانی کے تلاش کرنے کے جتنے بھی امکانات ہو سکتے ہیں، اسلام ان سب کا قلع قمع کرتا ہے۔اور قانون اسلامی کی تشریح کا ایک معیار مقرر کرتا ہے۔ تمام انسان بشمول سربراہ حکومت اس امر کے پابند ہیں کہ پوری ذہنی آمادگی اور قلبی لگاؤ کے ساتھ اور بغیر کسی جبر و کراہ کے احساس کے قرآنی تشریح و تعبیر کے عملی نمونہ رسول اقدس ﷺ کی ذات گرامی کو بطور معیار کے سامنے رکھیں۔اس لیے کہ ہدایت و رہنمائی اور قیادت و حکمرانی کا اصل ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی ہے۔ لہٰذا قرآن نے بہت سارے مقامات پر رسول اللہؐ کی بطور شارح حیثیت کو واضح انداز میں کیا ہے۔

"وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللهَ "۔27

یعنی نفاذ قانون کا فریضہ سرانجام دیتے ہوئے خلیفہ اپنی ذاتی میلان و مزاج اور فہم و شعور کو بطور قانون استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں رکھتا وہ اس بات کا پابند ہے کہ اپنی ساری صلاحیتیں نفاذ قانون میں صرف کرے۔یہی خصوصیت اس کی اطاعت کو عام مسلمانوں کے لیے لازمی اور ضروری شرط قرار دیتی ہے۔اور جہاں کہیں دائمی ضابطہ و قانون میں ترمیم و اضافہ یا اس سے انحراف کا ارتکاب ہو اس سے خلیفہ کا صرف حق اطاعت ہی ساقط نہیں ہوتا بلکہ اس کو خلیفہ رہنے کا کوئی حق بھی اسلام نہیں دیتا ایسا شخص ہر صورت میں معزول کر دیا جائے گا۔اور مسلمان باہمی مشورے سے دوسرا امیر منتخب کر لیں گے۔اگر اس کا انحراف نفاذ قانون اور حکم اطاعت کے علاوہ ذاتی اعمال میں کوتاہی تک جا پہنچے تو پھر اس کو معزول کرنے کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف تلوار اٹھانا بھی اسلام نے جائز قرار دیا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

"إنه يستعمل عليكم امرا ء متعرفون وتنكرون فمن كره فقد برى ومن انكر فقد سلم ولكن من رضى و تابع قالو ا يا رسول الله الا نقا تلهم قال لاصلو ا"۔28 تم پر ایسے لوگ بھی حکومت کریں گے۔ جن کی بعض باتوں کو تم معروف پاؤ گے۔اور بعض کو منکر، تو جس نے ان کے منکرات پر اظہار ناراضگی کیا وہ بری الذمہ ہو گیا اور جس نے ان کو ناپسند کیا وہ بھی بچ گیا۔ مگر جو ان پر راضی ہوا اور پیروی کرنے لگا (وہ ضرور پکڑا جائے گا) صحابہ

رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا۔ پھر جب ایسے احکام کا دور آئے تو کیا ہم ان سے جنگ نہ کریں آپ ﷺ نے فرمایا نہیں جب تک کہ وہ نماز پڑھتے رہیں۔

اولی الامر کی اس مشروط اطاعت نے قائدین کے لیے اس امر کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی کہ وہ خدا اور رسول ﷺ کے مقرر کردہ حقوق پر دست درازی کر سکیں۔ وہ اسی وقت تک واجب الاطاعت ہیں جب تک ان کے حقوق کا احترام کریں اور ان کے منافی کوئی اقدام نہ کریں۔ اگر وہ اس اصول کی خلاف ورزی کرتے ہوں تو ان کی اطاعت سے بری الذمہ ہے اور وہ جوابا اًنہیں منصب امارت سے ہٹانے کی جدوجہد میں حق بجانب ہو گی۔ یہ حدود و شرائط اطاعت کے مقابلے میں شہریوں کو آزادی رائے کی ضمانت فراہم کرتے ہیں۔

دور جدید میں ضرورت اس امر کی ہے کہ نیب کے ادارے کو زیادہ موثر فعال اور خود مختار بنایا جارہا ہے۔ تاکہ یہ ادارے سیاستدانوں اور بیوروکریسی کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کر سکے۔ ایسی قانون سازی کرنے کی بھی ضرورت ہے جو بدعنوان سیاستدان رہنمائوں کو ہمیشہ کے لیے نااہل قرار دے۔ آئین کی دفعات کو خاص طور پر فعال بنانے کی ضرورت ہے تاکہ نااہل اور بدعنوان لوگ اسمبلیوں میں منتخب نہ ہو سکیں۔ اور قانون الٰہی کا نفاذ کر سکیں۔

حقوق انسانی کا تحفظ:

نبی کریم ﷺ قائد اعلیٰ کی شخصیت سے سیاسی نظام کے متعلق اہم اصول یہ بھی ملتا ہے۔ کہ اسلامی ریاست میں حقوق انسانی کا تحفظ کیا جائے۔ جس معاشرے کے اندر تمام انسانوں کو اپنے بنیادی حقوق حاصل کرنے کی آزادی کی ضمانت نہ دی گئی ہو اس معاشرے میں امن کا قیام ناممکن ہے۔ انسانی حقوق اور قیام امن لازم و ملزوم ہیں۔ جس کا ذمہ دار اسلامی ریاست کا قائد ہے۔ اور اگر وہ اپنی رعایا کے حقوق اور آزادی کا خیال نہیں رکھتا تو اسے احتساب کے کٹہرے میں کھڑا کرنا لازم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حاکم یعنی ریاست کے قائد اعلیٰ کو رعایا کے حقوق کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

> " ألا كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فا لامير الذى على الناس راع وهو مسئول عن رعيته "۔29 خبردار تم میں سے ہر شخص رعیت والا ہے اور ہر رعیت والے سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ لہٰذا امام جو کہ تمام لوگوں کا نگہبان ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

جہاں بھی چند انسانوں کی جمیعت ہو گی وہاں باہمی معاملات میں ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی اور جبر کا امکان بہر حال موجود ہو گا۔ ممکن ہے کہ طاقتور لوگ اپنی طاقت کے بل بوتے پر کمزوروں کو اپنے ظلم و زیادتی کی لپیٹ لینے کی کوشش

کریں۔اسلامی ریاست کے سربراہ کا یہ بنیادی فرض ہے کہ وہ کسی بھی رعایت کے بغیر رعایا میں ہر ایک کے حقوق کا تحفظ کرے اور اس امر کی ضمانت دے کہ کوئی انسان کسی انسان کی آزادی پر حملہ نہ کر سکے۔ نبی کریم ﷺ کا یہی واقعہ شخصی آزادی کے تحفظ کے لیے کافی ہے۔

"عن بهر بن حکیم عن أبیه انه ای جده قام الی النبی ﷺ وهو یخطب فقال جیر انی بمااخذوا ؟ فأ عرض عنه مرتین ، ثمّ ذکر شیئا فقال النبی ﷺ خلوّ الیه جیرانه" ۔30 بہر بن حکیم اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپؐ خطبہ دے رہے تھے۔انہون نے سوال کیا کہ میرے پڑوسیوں کو کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہے۔ نبی ﷺ نے دو مرتبہ اس سے صرف نظر کیا تو اس شخص نے پھر کچھ کہا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔

اسی طرح میثاق مدینہ آزادی رائے اور مسلک کی آزادی کا بہترین نمونہ ہے۔اس کے علاوہ پورا خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کے تحفظ میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔اسلامی ریاست کے قائدین پر عوام الناس کے پانچ حقوق کی ادائیگی ضروری ہے۔

(1) تحفظ دین (2) تحفظ جان (3) تحفظ عزت و عظمت
(4) تحفظ نسل انسانی (5) تحفظ مال

پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں کہ

"یہ بڑی معنی خیز حقیقت ہے کہ اسلام کے تعزیری قانون میں جن حدود کے تحفظ کو قرآن و سنت نے سزاؤں کے تعین کے ساتھ طے کر دیا وہ یہی پانچ مقاصد ہیں۔ دنیا کے دوسرے تعزیری قوانین میں سینکڑوں نہیں ہزاروں جرائم اور ان کی سزائیں ہیں۔ لیکن اسلام نے جن جرائم اور ان کی سزاؤں کو حدود کا مقام دیا وہ یہی پانچ چیزیں ہیں۔ دین و ایمان کی حفاظت کے لیے نسل کے تحفظ کے لیے زنا اور قذف کی حدود عقل کے تحفظ کے لیے تحریم خمر اور شراب کی حد اور مال کے تحفظ کے لیے سرقہ اور حرابہ کی حدود۔ یہ حدود محض سزائیں نہیں ہیں۔ مقصود سزا دینا نہیں۔ مقصد ان بنیادوں کا تحفظ ان کی مضبوطی اور انسانی زندگی کو عدل و انصاف اور عزت و برکتوں سے مالا مال کرنا ہے اس اسلامی قانون اور حدود اللہ کا اطلاق قائدین اور عوام الناس دونوں پر ہوتا ہے قائد وقت جو کچھ چاہے وہ کرنے کے لیے آزاد نہیں بلکہ وہ خود ایک قانون کا پابند ہے۔اس کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ اس قانون کو نافذ کرے۔31

شخصی آزادی کے ساتھ ساتھ رائے اور مسلک کی آزادی بھی اسلامی ریاست میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔اور مسلک اور رائے کو مذہبی اور سیاسی دائروں میں تقسیم کر لینے سے ریاست کی تنظیمی فعالیت کا اندازہ زیادہ بہترین طریق سے ہو سکتا ہے۔اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست میں مسلم و غیر مسلم شہریوں کے حقوق اور ذمہ داریوں کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا قائد وقت کی ذمہ داری ہے۔تاکہ اسلامی ریاست عملی لحاظ سے ملکی اور غیر ملکی سطح پر قرآن و سنت کے نفاذ کا منظر پیش کر سکے۔

خلاصہ بحث:

اس مقالہ میں نبی کریم ﷺ کی سیاسی زندگی کے رہنما اصول مختصراً بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ویسے تو آپ ﷺ کی سیاسی زندگی کے بے شمار رہنما اصول و واقعات ہیں تاہم اس مقالے میں صرف چھ بنیادی سیاسی اصولوں کو زیر بحث لایا گیا ہے جو درج ذیل ہیں۔

1- حاکمیت الٰہیہ
2- نظام شوریٰ
3- عدل انصاف کی فراہمی
4- قانون الٰہی (شریعت) کا نفاذ
5- حقوق انسانی کا تحفظ
6- شخصی آزادی (حفظ دین، حفظ مال، حفظ عزت، حفظ نسل انسانی، حفظ جان وغیرہ)

ان اصول و قونین کو اپنا کر ہی دور جدید کے قائدین ملک میں امن و امان قائم کر سکتے ہیں۔اور اپنی صلاحیتوں کو قرآن اور سنت رسول ﷺ کی روشنی میں استعمال کر کے نہ صرف ملکی بلکہ عالمی سطح پر بھی اچھے اسلامی رہنما ثابت ہو سکتے ہیں اور صحیح اسلامی ریاست کا ایک نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔

سفارشات:

- نبی ﷺ کی سیاسی زندگی کے رہنما اصولوں کو سمجھتے ہوئے حکمران و قائدین نفاذ قانون الٰہی کو ممکن بنائیں۔ایسے حکمران و قائدین جو قرآن و سنت کی ہدایت و بصیرت نہیں رکھتے، کا محاسبہ کیا جائے وران کو نااہل قرار دیا جائے اس سلسلے میں خلفائے راشدین کے منتخب ہونے والے طریقہ کار کو مد نظر رکھا جائے۔تاہم اس کے ساتھ ساتھ عوام الناس میں بھی مذہبی تعلیم و بصیرت پیدا کرنے کے لیے ملکی و عالمی سطح پر اقدامات کیے جائیں۔اسلامی ریاست عوام الناس کے لیے صحیح مذہبی تعلیم کا نفاذ کرے۔

❖ پاکستان میں اسلامی (لیڈر شپ) حکمرانی نہ ہونے کی ایک اہم وجہ عوام الناس کی ناخواندگی اور جہالت بھی ہے۔ اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں کی سطح تک ایسی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ جس کا مقصد صرف ڈگریوں کا حصول ہی نہ ہو۔ بلکہ طالب علم اپنی ذاتی زندگی میں اسلامی تعلیمات کا نفاذ کر سکیں۔ اور دنیا اور آخرت میں کامیاب و کامران ہو سکیں۔

❖ شوریٰ کے نظام کو مؤثر بنانے کے لیے دور حاضر میں مسجدوں کی اہمیت اور باجماعت نماز کی ادائیگی کو تما مسلمانوں کے لیے لازم کیا جائے۔ اور جمعہ اور عیدین کے خطبات کے ذریعے عوام الناس میں اسلامی تعلیم و تربیت کو ممکن بنایا جائے۔ تاکہ آئمہ کرام ان خطبات کے ذریعے عوام الناس کی فکری و مذہبی تطہیر کر سکیں۔ لیکن ضروری یہ ہے کہ ان خطبات میں صرف قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمہ باتوں کی تعلیم دی جائے تاکہ عوام الناس کی فکری ہم آہنگی اور ملی یکجہتی کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست سے فرقہ واریت اور تعصب کا بھی خاتمہ کیا جائے۔ تمام قائدین کو یہ بات باور کروائی جائے کہ وہ اپنے عہدوں اور مناصب کو امانت سمجھیں اور عدل و انصاف کی فراہمی کو عوام الناس تک ممکن بنائیں تاکہ ملکی و عالمی سطح پر اسلامی بھائی چارہ کو فروغ دیا جائے۔

❖ اسلامی ریاست کے قائدین ہر شریعت کے نفاذ کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ آج کل رائے عامہ کی تشکیل کے لیے ذرائع ابلاغ کا کردار اہم ہے۔ لہٰذا ٹی وی، کیبل، انٹرنیٹ پر قائدین مثبت، بامقصد اسلامی پروگراموں کو ممکن بنائے تاکہ قانون الٰہی کا نفاذ ممکن بنایا جاسکے۔ اور لوگوں کے فکر و عمل کی آبیاری کی جاسکے۔

❖ اسلامی ریاست میں قائدین وقت پر انسانی حقوق کا تحفظ بھی لازم ہے۔

حواشی و حوالاجات

1۔ آل عمران، ۳ :۱۹

2۔ المتقی ، الهندی ,علاء الدین،کنز ا لعمال سنن الاقوال و الافعال ، دار الکتب علمية ـبیروت،۱۴۱۹ـ ولا ء بی نعیم ، فضیلة العادلین ، الرئسیة ، تنزیل الملتیة ، مستودع الکتب شرح البر نا مبح ،ح ن 39: ،ج ا،ص ۱۵۳۔

3۔ سورۃ یوسف ۱۲: ۴۰

4۔ المؤمن ۴۰: ۱۲

5۔ سورۃالانعام ٦: ٦٢

6۔ آل عمران ٣: ٢٦

7۔ سورۃالحج ٢٢: ٤١

مزید تفصیل کے لیے:-خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، الفیصل ناشران وتاجدان کتب لاہور، ص ٤٣-٢٧

-خالد علوی، انسان کامل صلی اللہ علیل وآلہ وسلم، الفیصل ناشران وتاجدان کتب لاہور، ٢٠٠٥، ص٣٨-٤٤٧

8۔ طبرانی ابی قاسم سلیمان بن احمد، المعجم الصغیر، السلفیۃ، ب-ت، ج٨، ص ١٦٠

9۔ خطیب التبریزی، محمد بن عبداللہ، مشکوۃ المصابیح، المکتب الاسلامی، دمشق، ١٩٦١، کتاب الامارۃ، ج٣، ص ٢٢٣

10۔ بخاری، صحیح بخاری، دارابن کثیر بیروت، ١٩٩٠، الطبعۃ الرابعۃ، باب السمع والطاعۃ بلاامام مالم تکن معصیۃ۔

11۔ سورۃالنساء ٤: ٥٩

12۔ بخاری، صحیح بخاری ، کتاب الاحکام باب قول اللہ اطیوا للہ و اطیعوالرسول، ج٢، ص١٦٢۔

13۔ ایضا باب و الطاعۃ ءلا مام ما لم تکن معصیۃ ،ج٤٢٢ا

-ڈاکٹر محمد حمیداللہ، اسلامی ریاست، عہد رسالت کے طرز استدلال سے استشہاد، زاہدبشیر پرنٹرز لاہور، ١٩٩٢

14۔ طبری، ابور جعفر محمد بن جریر، تاریخ الامم و الملوک ، المطبعۃ الاستقامۃ القاہرۃ، ١٩٣٩، ص618

تفصیل کے لیے دیکھیں۔

- محمد اسحاق صدیقی۔ اسلام کا سیاسی نظام، مجلس، بحوث و تحقیق اسلامی، کراچی، ١٩٨١، ص ٢٧

- وسید مودودی، اسلامی ریاست، فلسفہ، نظام کار اور اصول حکمرانی مرتبہ، خورشید احمد، اسلامک پبلیکیشنز پرائیویٹ لیمیٹڈ دسمبر ٢٠٠٦ء

- نعیم صدیقی، محسن انسانیت، ادارہ مطالعہ و تحقیق، لاہور، اکتوبر ٢٠٠٤

15۔ سورۃالشوری ٤٢: ٣٨

16۔ سورۃآل عمران ٣: ١٥٩

17۔ حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، طبع لاہور، ص ٣١٩، ابن قیم الجوزیۃ، عبداللہ محمد بن ابی بکر، اعلام لا موقعین مطبعۃ التجارۃ، قاہرہ، ١٩٦٢، ج ا، ص ٥٤۔ ابن عبدالبر، ابی عمر یوسف، جامع بیان العلم و فضلہ ، تحقیق ابی الاشیال الزہری، دوار ابن الجوزی ، ب –ت حضرت علی ابن ابی طالب ١٦١١، ج ا، ص ٨٥٣

18۔ صحیح بخاری ، کتاب الاحکام باب مایکر ہ من الحرص علی الامارۃ ، ج٤، ص ١٠٧

19۔ رشید رقیا ، الخلا فۃ او الامامۃ ، العظمی ، مطبعۃ ، المنار ، قاہرہ ، ١٣٤١ھ ص ١٠۔١٨

- Muhammad Iqbal The Reconstruction of Religious thought in Islam , Sheikh Muhammad Saed, Lahore , 1989, P 138 – 40

- Muhammad Asad ,Principles of state and Government in Islam , Gibralter, Dar-Ul-Andalus . 1980

20۔ سورۃالمائدہ ٥: ٨

21۔ سورۃالنساء ۴: ۵۸
22۔ صحیح بخاری ، کتاب الحدود ، باب اقامة الحدود علی الشریف ، والوضیع ح ن ،ح۶۴۰۵
23۔ قشیری، مسلم بن حجاج ، الصحیح ، کتاب الزکوة ، باب فضل خفا الصد قة ،الفکر ، بیروت ، ب –ت ،ج ا،ص۱۶
24۔ کرم شاہ، ضیائے النبی ﷺ ،ضیاءالقرآن پبلیکیشنز لاہور ب ت، ص ۵
25۔ سورۃالاعراف ۷: ۳
26۔ سورۃالمائدۃ ۵: ۴۴
27۔ سورۃالحشر ۵۹: ۷
مزید تفصیل کے لیے دیکھیں۔
محمد حماد لکھوی، اسلام کا تصور، حکمرانی اوراس کی حدود واختیارات القلم ۲۰۰۹، ص۱۷۶۔۱۸۷
28۔ محمد صلاح الدین، بنیادی حقوق، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ب ت
29۔ النابلسی، محمد راتب، ریاض الصالحین ، باب درجات المسئو ولیة فی الاسلام کما وردفی هذا الحدیث ، قلتم راع ۔ اخرجه البخاری و مسلم فی صحیحها عن ابن عمر ، بتاریخ ۱۹۹۴-۰۱-۲۳
30۔ سبحستانی ابی بکر عبداللہ بن دسلیمان ابی داؤد، سنن ابی داود ، کتاب القضاء باقی الدین هل لِحبی ،ج۴، ص۴۷
31۔ خورشید احمد، نفاذ شریعت، اہمیت اور اقدامات عالمی ترجمان القرآن، دسمبر ۲۰۱۵، ص۲۹ –۳۰